یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

۱

حضرت آیۃ اللہ سید عبد الحسین دستغیب شیرازی طاب ثراہ

بکھرے موتی

ترجمہ

داستانہائے پراگندہ

بکھرے موتی

ترجمہ

داستانہائے پراگندہ

پہلا حصّہ

مؤلف

حضرت آیۃ اللہ سیّد عبدالحسین دستغیب شیرازی طاب ثراہ

مترجم

جمال احمد شہیدی

کتابت

سیّد جعفر صادق

ناشر

خراسان بک سینٹر۔ کراچی

ملنے کا پتہ

خراسان بک سینٹر

۱۲۔ سنیعہ آرکیڈ ــــ بریٹو روڈ ــــ کراچی، ۷۴۸۰۰

فون: ۷۲۱۴۷۱۷ ـ ۷۲۲۱۷۱۸

فہرست

ماہرِ فلکیات اور پن چکّی چلانے والا

یہ واقعہ خواجہ نصیر الدین طوسی سے منسوب ہے اور کافی مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ سفر کرتے ہوئے رات کے وقت کسی گاؤں میں پہنچے۔ گرمیوں کی اُس رات میں انھیں اسی مقام پر رُکنا پڑا۔ وہاں ایک شخص پن چکّی چلا رہا تھا۔ اُس نے خواجہ نصیر الدین کی میزبانی کی اور ان سے کہا:

"آج رات آپ اسی چھپر کے نیچے سو جائیے جہاں پن چکّی لگی ہوئی ہے۔"

خواجہ نصیر الدین طوسی ایک ماہرِ فلکیات بھی تھے، انھوں نے چکّی والے سے کہا:

"بہت گرمی ہے لہٰذا باہر سونا بہتر ہے!"

چکّی والے نے کہا:

"آج کی رات بارش ہوگی!"

خواجہ نے آسمان کی طرف دیکھا۔ مطلع بالکل صاف تھا اور ابر کا کہیں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا تھا۔ وہ ویسے بھی فلکیات کے ماہر تھے لہٰذا انھوں نے فرمایا:

"نہیں، میں یہیں باہر سوؤں گا۔"

خواجہ نصیر الدین باہر سو گئے۔ لیکن جب آدھی رات کو تند و تیز ہوائیں چلیں اور بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج کے ساتھ موسلا دھار بارش ہوئی تو مجبوراً انھیں پن چکی کے پاس آکر پناہ لینا پڑی۔ یہاں آکر انھوں نے چکی والے سے پوچھا:

"تم نے کیسے جان لیا کہ آج کی رات بارش ہوگی؟!"

پن چکی چلانے والے نے بڑے اطمینان سے بتایا:

"میرے پاس ایک کتّا ہے اور مجھے تجربے سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جب بھی بارش ہونے والی ہوتی ہے۔ میرا یہ کتّا اسی پن چکی کے قریب چھپّر کے نیچے آکر سو جاتا ہے گزشتہ رات بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا لہٰذا مجھے معلوم ہو گیا کہ بارش آنے والی ہے۔"

خدا رِزق میں اِضافہ فرماتا ہے

مرحوم نوری نے کتاب "کلمہ طیبہ" میں صدقات و خیرات اور راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی فضیلت کے سلسلے میں چالیس واقعات بیان کیے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ جلیل القدر عالمِ دین اخوند ملّا فتح علی کا بیان کیا ہوا ہے جسے انھوں نے اپنے ایک قابلِ اعتماد رشتہ دار سے سُنا تھا۔

بیان کرنے والے نے اخوند کو بتایا:

قحط کے زمانے میں، میں نے اپنی زمین پر جَو بوئے تھے۔ خوش قسمتی سے دوسرے کسانوں کے مقابلے میں میری زمین پر جو کی بالیاں لہلہانے لگیں اور اس کے دانے پک گئے۔

اس زمانے میں ہر طبقے کے لوگ سختی اور بھوک کا شکار تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میں نے اپنی کاشت کی ہوئی فصل سے فائدہ نہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ میں نے مسجد آکر بلند آواز سے یہ اعلان کر دیا:

"میں نے فلاں حصّے کی زمین پر کاشت کی ہوئی فصل چھوڑ دی ہے اور اب اس فصل سے کوئی بھی ضرورت مند اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق اس وقت تک لے جا سکتا ہے جب تک یہ ختم نہیں ہوتی۔"

یہ اعلان سُن تمام ضرورت مندوں نے اس زمین کا رُخ کیا اور روزانہ اپنی ضرورت کے مطابق جَو لے جا کر کھانے لگے۔ مجھے اپنی زمین کے اس ٹکڑے کی بابت کچھ بھی معلوم نہیں تھا کیونکہ میں نے اسے ضرورت مندوں کے لیے چھوڑ دیا تھا اور اب مجھے اس سے کوئی امید نہیں تھی۔

لوگ میری اس زراعت سے فائدہ اٹھا رہے تھے اور اس طرح ان کی مشکلات دُور ہو رہی تھیں۔

جب میں اپنی دوسری فصلوں کی کٹائی سے فارغ ہو گیا تو میں نے اپنی اس زمین کی جانب رُخ کیا جس کی بابت اعلان کر چکا تھا۔ میرا اس زمین پر جانے کا مقصد یہ تھا کہ وہاں کی بچی کھچی فصل کو کاٹوں اور جو کے جو کچھ خوشے باقی رہ گئے ہوں انھیں حاصل کر لوں۔

یہ سوچ کر میں مزدور لے کر اس زمین پر پہنچا۔ ان مزدوروں نے وہاں کی فصل کاٹ کر جب جَو صاف کیے تو اس زمین سے دوسری زمینوں کے مقابلے میں دو گُنے جَو حاصل ہوئے۔ اور ضرورت مندوں نے زمین کے اس ٹکڑے سے جو کچھ لیا تھا اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا!! حالانکہ میری زمین کے اس حصے پر ایک بالی بھی نہیں ہونا چاہیے تھی۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ میری زمین کا وہ ٹکڑا خزاں کے بعد یوں ہی پڑا رہا اور اس پر نہ تو ہل چلایا اور نہ ہی بیج بوئے لیکن پھر بھی جب برف پگھلی اور موسمِ بہار کا آغاز ہوا تو میری زمین کا یہ ٹکڑا دوسری تمام زراعتوں سے زیادہ سرسبز و شاداب تھا!

مجھے یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی اور میں یہ سوچنے لگا کہ کہیں مجھے دھوکہ تو نہیں ہو رہا ہے اور زمین کا یہ ٹکڑا کسی اور کا تو نہیں ہے؟! سچ ہے:

"واللہ یضاعف لمن یشاء"

یعنی خدا جس کے رزق میں چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے۔

☼ اسی طرح اخوند فتح علی بیان فرماتے ہیں کہ ان کے رشتہ داروں میں سے ایک رشتہ دار کے پاس انگور کا باغ تھا۔ یہ باغ شاہراہِ عام کے کنارے واقع تھا جب پہلی مرتبہ انگور کے خوشے پک کر تیار ہو گئے تو میرے عزیز نے باغ کے نگہبان کو یہ ہدایت دی کہ وہ شاہراہ کی سمت میں موجود انگور کی بیلوں سے خوشے نہ چُنے اور یہ انگور راستہ چلنے والوں کے لیے چھوڑ دے۔

چنانچہ باغ کے اس حصّے سے انگور کے خوشے نہیں چنے گئے اور ہر گزرنے والا انھیں کھاتا اور لے جاتا رہا۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں تھی یہاں تک کہ خزاں کا موسم ختم ہونے لگا اور بقیہ تمام انگوروں کے خوشے چُن لیے گئے۔ اور صرف شاہراہ کا وہی حصہ باقی رہ گیا جو گزرنے والوں کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب اس خیال سے کہ شاید کچھ انگور پتوں میں چھپے رہ گئے ہوں۔ اس جگہ انگور چُننے کے لیے گئے تو معلوم ہوا کہ یہاں دوسرے حصّوں کے مقابلے میں کئی گُنا زیادہ انگور موجود ہیں! حالانکہ وہاں سے سب ہی گزرنے والے انگور کھاتے بھی تھے اور لے بھی جاتے تھے لیکن پھر بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ کئی گُنا اضافہ ہو گیا!

سچ ہے خدا جس کے رزق میں چاہتا ہے اضافہ فرما دیتا ہے۔

☼ مرحوم یہ واقعہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ وہ ہر سال گندم کی صفائی کر کے گھر لانے سے پہلے ہی اس کی زکوٰۃ ادا کر دیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں زکوٰۃ کے سلسلے میں تاخیر کرنا اچھا نہیں تھا۔

ایک سال انھوں نے بالیوں سے گندم نکال کر انھیں فقراء و مستحقین کے حوالے کیا اور باقی بالیاں گھر لے آئے۔ گھر آ کر انھوں نے جب بالیوں سے گندم نکالا تو معلوم ہوا کہ فقراء و مستحقین کو زکوٰۃ کی مقدار گندم ادا کرنے کے باوجود ان کے غلّے میں کسی قسم

کی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے!

☆ اسی کتاب میں مرحوم حاجی مہدی سلطان آبادی کے حوالے سے ان کا یہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ:

ایک سال انھوں نے اپنے خرمن سے گندم کی تمام بالیوں کو صاف کر کے تولا اور وہیں اس کی زکوٰۃ ادا کر دی۔ پھر ان کا یہ غلّہ ایک مہینے تک اسی خرمن میں پڑا رہا۔ وہاں سے جانور اور چوہے کھاتے رہے لیکن اس کے باوجود جب انھوں نے اسے تولا تو یہ اتنا ہی تھا جتنا شروع میں زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے تھا اور اس کی مقدار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

حضرت علیؑ کے نام پر قرض

کتاب "کلمۂ طیبہ" میں ہے کہ ابراہیم ابن مہران بیان کرتے ہیں:

کوفہ میں میرے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام ابوجعفر تھا۔ وہ بڑے اچھے اخلاق کا مالک تھا اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا۔ جب کبھی کوئی علوی سیّد اس کے پاس آ کر کوئی خواہش کرتا تو وہ اس کی فرمائش پوری کر دیتا تھا۔ یہ رقم وہ سہم سادات سے ادا کرتا تھا اور اگر سادات کا یہ حصہ نہ ہوتا تھا تو وہ اپنے غلام سے کہتا:

"یہ رقم علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نام پر بطور قرض لکھ لو۔"

اسی طرح کافی عرصہ گزر گیا اور ایک وقت وہ بھی آیا جب ابوجعفر تنگدست اور پریشان حال ہو گیا۔ اب یہ تنہا اپنے گھر میں بیٹھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے اس نے رجسٹر دیکھنا شروع کیا اور جس جس کو بھی قرض دیا تھا ان کا جائزہ لینے لگا۔ قرض لینے والے افراد میں سے بعض ایسے تھے جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ لہٰذا اس نے ان کا نام رجسٹر سے کاٹ دیا۔ البتہ جو لوگ زندہ تھے ان کے پاس آدمی بھیج کر رقم واپس طلب کر کے گزر اوقات کرنے لگا۔

ان ہی دنوں ایک مرتبہ وہ اپنے دروازے پر بیٹھا ہوا رجسٹر دیکھ رہا

تھا کہ ایک دشمنِ اہلبیتؑ نے راستے سے گزرتے ہوئے اس پر طنز کیا اور اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے بولا :

" تم اپنے بڑے مقروض علیؑ ابن ابی طالبؑ کا کیا کرو گے ؟ ! "

ابو جعفر نے جب اس کی یہ بات سُنی تو بہت رنجیدہ ہوا اور اُٹھ کر گھر میں چلا گیا۔ پھر رات کی تاریکی چھا گئی اور جب وہ سویا تو اس نے خواب میں حضرت رسولِ خداؐ کو دیکھا کہ وہ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ سے فرما رہے ہیں :

" تمھارے والد کہاں ہیں ؟ "

اتنے میں امیرالمومنینؑ نے جواب دیا :

" اے اللہ کے رسولؐ ! میں یہاں ہوں ۔ "

گویا حضرت علیؑ ، رسول اللہؐ کے پیچھے تشریف فرما تھے ۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا :

" تم اس شخص کا حق کیوں نہیں ادا کر رہے ہو ؟ "

امیرالمومنینؑ نے جواب دیا :

" یا رسول اللہؐ ! یہ میں اسی شخص کا حق لے کر آیا ہوں ۔ "

آنحضرتؐ نے فرمایا :

" تو یہ اس کے حوالے کر دو ۔ "

پھر حضرت علیؑ نے سفید اُون سے بنا ہوا ایک تھیلا اس شخص کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ لو یہ تمھارا حق ہے ۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا :

" اے شخص یہ تمھارا حق ہے اسے اپنے پاس رکھو اور جو بھی تمھارے پاس ان کے فرزندوں میں سے آئے اور مطالبہ کرے ۔ اسے دے دیا کرو ۔ اور تمھارے لیے

بہتری اور بھلائی ہے اور اب اس کے بعد تمھیں تنگ دستی اور فقر و فاقہ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ "

کوفے کا وہ ابو جعفر نامی شخص کہتا ہے کہ میں یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوا تو تھیلا میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اپنی بیوی کو جگا کر کہا :

" چراغ جلاؤ ! "

اور پھر جب میں نے اس تھیلے میں موجود اشرفیوں کو گنا تو ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔

بیوی نے کہا :

" اے شخص خدا سے ڈرو ، کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے فقر و فاقہ سے تنگ آ کر کسی تاجر کو دھوکا دے کر اس کا مال ہتھیا لیا ہو ؟ ! "

ابو جعفر نے جواب دیا :

" نہیں ! خدا کی قسم ایسا نہیں ہے ۔ بلکہ معاملہ کچھ یوں ہے ۔ " اور اس کے بعد اپنا پورا خواب بیان کر دیا ۔

پھر ابو جعفر نے رجسٹر منگوا کر اس رقم کا حساب کیا جو علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نام پر بطور قرض ان کی اولاد کو دی گئی تھی تو اس کی مجموعی تعداد بھی ایک ہزار اشرفی تھی ۔ نہ اس سے ایک اشرفی کم نہ زیادہ !

چغل خور کی تین خیانتیں

ایک عقل مند آدمی کا ایک ملاقاتی کسی دن اس سے ملنے آیا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے اپنے اس دوست کو بتایا کہ اُس کا فلاں دوست اسے بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔

اس عقل مند شخص نے اپنے ملاقاتی سے کہا:

تم اتنے عرصے بعد مجھ سے ملنے آئے ہو لیکن تم تین خیانتیں بھی اپنے ساتھ لے کر آئے ہو:

☼ —— تم نے میرے اور اس شخص کے درمیان دشمنی کی بنیاد رکھ دی ہے۔

☼ —— تم نے مجھے اس کی یہ باتیں بتا کر میرے دل کو رنج پہنچایا ہے۔

☼ —— اور یہ کہ تم نے مجھ پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک خیانت کرنے والے آدمی ہو۔

اس عقل مند اور زیرک شخص نے مزید کہا کہ جو شخص بھی تمھارے پاس کسی کی چغلی کرتا ہے وہ یقیناً تمھاری چغلی اور برائی بھی دوسروں کے سامنے بیان کرنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ لہٰذا ایسے آدمی پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ کسی شاعر نے کیا

خوب کہا ہے ؎

ہر کہ عیب دگراں نزد تو آورد و شمرد
بی گمان عیب ترا نزد کسی خواہد برد

ایسے چغل خور سے بچنا چاہیے۔ پھر اس دانشور نے یہ حکایت بھی بیان کی:

ایک آدمی اپنا غلام بیچتے ہوئے کہہ رہا تھا:

"اس میں کوئی عیب نہیں ہے، ہاں البتہ یہ چغل خور ضرور ہے!"

خریدار نے کہا کوئی حرج نہیں! اور پھر اس نے وہ غلام خرید لیا۔ کچھ عرصے بعد وہ غلام اپنے مالک کی بیوی سے کہنے لگا:

"اب صاحب آپ کو نہیں چاہتے! وہ تو کوئی کنیز خریدنا چاہتے ہیں! اور اب اس کا ایک ہی حل ہے۔ جب یہ سو جائیں تو آپ ان کی داڑھی کے نچلے حصے سے چند بال کاٹ کر مجھے دے دیں تاکہ میں کوئی ایسا جادو کر دوں کہ یہ صرف آپ کے ہی عاشق ہو کر رہ جائیں۔"

پھر وہ غلام اپنے صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا:

"یہ عورت تو کسی اور کے عشق میں مبتلا ہو گئی ہے اور آپ کو قتل کر کے ہی دم لے گی۔ یقین نہ آئے تو سوتے بن جائیے پھر آپ خود جان لیں گے کہ یہ آپ کے ساتھ کیا کرتی ہے!"

غلام کی یہ بات سُن کر مالک اپنی آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ بیوی ہاتھ میں چھُرا لیے ہوئے آئی اور اس کی داڑھی پکڑ لی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مرد کو یقین ہو گیا کہ اس کی بیوی اسے جان سے مار ڈالے گی۔

فوراً ہی اُچھل کر اس نے بیوی کے ہاتھ چھُرا چھین لیا اور اسے قابو

کر کے تہ تیغ کر دیا۔

بیوی کے رشتہ داروں کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے اس شخص
مار ڈالا۔

اس کے بعد مرد کے رشتہ دار بھی آ گئے اور ان دونوں خاندانوں کے
درمیان مسلسل لڑائی جھگڑے کی بنیاد پڑ گئی اور کافی خون ریزی ہوئی۔

ہروی اور تلاوتِ قرآن

ابوالوفار ہروی کہتے ہیں :

میں بادشاہ کے دربار میں قرآن کی تلاوت کیا کرتا تھا لیکن درباری
توجہ سے نہیں سُنتے تھے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے تھے!

غالباً یہی وجہ تھی کہ میں نے پیغمبرِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو خواب
میں دیکھا کہ آپؐ کا چہرہ متغیّر ہے اور مجھ سے فرما رہے ہیں :

"تم ان لوگوں میں قرآن پڑھتے ہو جو اسے توجہ سے نہیں سنتے ہیں اور آپس
میں بات چیت کرتے رہتے ہیں! تم نے تلاوتِ قرآن کے آداب کا خیال نہیں رکھا ہے
لہٰذا آج کے بعد، اب تم اس وقت تک قرآن کی تلاوت نہیں کر سکو گے جب تک خدا
نہ چاہے!"

یہ خواب دیکھ کر میں نیند سے بیدار ہوا تو میں گونگا ہو چکا تھا۔ البتہ
مجھے آنحضرتؐ کے یہ الفاظ: "تم اس وقت تک قرآن کی تلاوت نہیں کر سکو گے جب
تک خدا نہ چاہے" کی وجہ سے اُمید تھی کہ مجھے دوبارہ قوّتِ گویائی مل جائے گی۔

میری قوتِ گویائی سلب تھی اور اسی حالت میں توبہ و استغفار کرتے ہوئے
چار مہینے گزر گئے اور ایک مرتبہ جب میں اسی جگہ پر سویا جہاں میں نے پہلے خواب میں

رسولِ خداؐ کو دیکھا تھا۔ تو اِتنے عرصے کے بعد آنحضرتؐ دوبارہ میرے خواب میں آئے اور فرمایا:

"کیا تم نے دل سے توبہ کرلی ہے؟"

میں نے جواب دیا:

"جی ہاں، اے اللہ کے رسولؐ۔"

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص بھی سچے دل سے خدا کی جانب رجوع کرتا ہے خدا اسے معاف فرما دیتا ہے!"

اس کے بعد آپؐ نے مجھے اپنی زبان باہر نکالنے کا حکم دیا اور اپنی شہادت کی انگلی میری زبان پر پھیر دی اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت فرمائی کہ:

"تم جب بھی کبھی کسی قوم یا گروہ کے سامنے قرآن کی تلاوت کرو تو اس وقت تک تلاوت کا یہ سلسلہ جاری رکھا کرو جب تک وہ کلام الٰہی توجہ سے سُنا کریں ورنہ ان کے سامنے تلاوت مت کیا کرو۔"

یہ خواب دیکھ کر جب میں اٹھا تو مجھے دوبارہ قوتِ گویائی مل چکی تھی اور میں سب کچھ بول سکتا تھا۔

خاکِ شفا سے صحت

شیخ مفید کے اُستادِ محترم جلیل القدر عالمِ دین ابن قولویہ کتاب "کامل الزیارۃ" میں اپنے سلسلۂ اسناد کے ساتھ محمد ابن مسلم سے نقل کرتے ہیں:

ایک مرتبہ میں مدینہ گیا۔ وہاں میں ایسا بیمار ہوا کہ بستر سے لگ گیا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے میرے لیے اپنے غلام کے ہاتھ ایک چھوٹے سے برتن میں کچھ پینے کے لیے بھیجا۔ یہ پینے والی چیز رومال سے اچھی طرح ڈھکی ہوئی تھی۔ امام علیہ السّلام کے غلام نے مجھے یہ دیتے ہوئے کہا:

"اسے پی لو! اور امامؑ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک تم اس کو پی نہ لو میں یہاں سے واپس نہ جاؤں۔"

میں نے اس دوا کو پیا تو اس کا ذائقہ بہت ہی لذیذ تھا اور اس سے مُشک کی خوشبو آرہی تھی۔

اس کے بعد غلام نے کہا:

"مولاؑ نے فرمایا ہے کہ جب تم یہ پی لو تو ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔"

غلام کی یہ بات سُن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں تو بالکل چل پھر نہیں سکتا تھا پھر بھلا امامؑ کی خدمت میں کیسے حاضری دے سکتا تھا! لیکن جیسے ہی یہ

مشروب میرے پیٹ میں پہنچا گویا مجھے تمام بیماریوں سے نجات مل گئی۔ میں اپنے بستر سے اٹھ کر چل پڑا اور امامؑ کے شریعت کدے پر پہنچ کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ جب میں ان کے پاس گیا تو امامؑ نے مجھ سے فرمایا:

"تم صحت مند ہو گئے ہو، آؤ بیٹھو!"

میں نے روتے روتے سلام کیا اور امامؑ کے ہاتھ اور چہرے کا بوسہ لیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اے محمد! روتے کیوں ہو؟"

میں نے کہا:

"قربان جاؤں، آپؑ سے فرقت اور دوری کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ مجھ میں اتنی طاقت باقی نہیں رہی تھی کہ میں باقاعدگی سے آپؑ کی زیارت کا شرف حاصل کرتا۔"

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"جہاں تک طاقت و توانائی میں کمی کا تعلق ہے تو خداوند عالم نے ہمارے تمام چاہنے والوں اور پیروی کرنے والوں کو ایسا ہی رکھا ہے۔ ان کے اُوپر بلائیں آتی رہتی ہیں۔ اور جہاں تک تمہاری غربت اور تنہائی کا تعلق ہے تو یاد رکھو کہ مومن کو اس دنیا میں ظاہری پستی اور تنہائی کا سامنا کرنا ہوگا تاکہ وہ اس دار فانی میں زحمتیں برداشت کر کے رحمتِ خداوندی حاصل کرلے۔ اور اے محمد ابن مسلم! تم حضرت ابوعبداللہ الحسینؑ کے روضے کی زیارت کرو۔ ان کی پیروی کرو۔ امامؑ مظلوم کا روضہ یہاں سے دُور دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔ اور جو کچھ تم نے ہماری محبت اور زیارت کرنے کے شوق کی بابت کہا ہے اور اس سلسلے میں خواہش رکھنے کے باوجود طاقت نہیں رکھتے تو خداوندِ عالم تمہارے دل میں پوشیدہ اس نیت سے آگاہ ہے اور تمہیں اس اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔"

پھر امام علیہ السلام نے مجھ سے دریافت فرمایا:

"کیا تم امام حسین علیہ السلام کے حرم مطہر کی زیارت پر جاتے ہو؟"

میں نے کہا:

"جی ہاں! بہت زیادہ ڈر اور خوف کے ساتھ زیارت پر جاتا ہوں!"

آپؑ نے فرمایا:

"جتنا زیادہ ڈر کر اور خوف کی حالت میں زیارت کرو گے اتنا ہی زیادہ ثواب عطا ہوگا اور جو شخص بھی اس سفرِ زیارت میں خائف ہوگا وہ قیامت کے دن خوف سے محفوظ رہے گا اور زیارت کے بعد اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

اس کے بعد امام علیہ السلام نے دریافت فرمایا:

"تم نے وہ شربت کیسا پایا؟"

میں نے جواب دیا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ اہل بیتؑ رحمت ہیں۔ آپؑ، آنحضرتؐ کے جانشینوں میں سے ہیں۔ جب غلام شربت لے کر آیا تو مجھ میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے تک کی طاقت نہیں تھی اور میں مایوس ہو چکا تھا۔ اور جب میں نے وہ شربت پیا تو وہ ایسا تھا کہ میں نے اب تک اس سے زیادہ ٹھنڈا خوشبودار اور مزیدار کسی اور چیز کو نہیں پایا۔

پھر مجھ سے غلام نے کہا کہ میرے مولاؑ نے فرمایا ہے کہ آجاؤ! چنانچہ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اسی حالت میں جاؤں گا خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے البتہ جب میں آنے کے لیے اُٹھا تو گویا مجھے تمام بیماریوں سے نجات مل چکی تھی! چنانچہ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے آپؑ کو شیعوں پر رحمت قرار دیا ہے۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اے محمد! وہ شربت جو تم نے پیا تھا اس میں خاکِ شفا امام حسین علیہ السلام کے روضۂ مطہر کی خاک ملی ہوئی تھی۔ اور یہ اتنی بہترین چیز ہے جس سے ہم شفا حاصل کرتے ہیں اور تم اس کے برابر کسی اور چیز کو مت سمجھنا۔ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو اسے دے کر بے انتہا فوائد حاصل کرتے ہیں۔"

میں نے کہا:

"آپؑ پر فدا ہو جاؤں ہم بھی روضۂ امام حسین علیہ السلام سے خاکِ شفا لاتے ہیں اور اس سے صحت و سلامتی طلب کرتے ہیں۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"بعض لوگ روضے سے یہ خاکِ شفا اٹھاتے ہیں اور بغیر کچھ لپیٹے ہوئے اسے یونہی لے کر حرم سے باہر نکل آتے ہیں۔ چنانچہ ایسی صورت میں جو بھی جنّ یا دوسرے حیوانات یا کوئی اور چیزیں کسی بھی بیماری یا درد میں مبتلا ہوتی ہیں تو وہ اسے سونگھ لیتی ہیں اور اس طرح اس کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور اس کی برکت سے دوسرے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ جس خاکِ شفا سے ہم علاج کرنا چاہیں وہ ایسی نہیں ہونی چاہیئے!

سنو! جو کچھ میں نے خاکِ شفا کے سلسلے میں بتایا ہے اگر اس کا خیال رکھا جائے تو لازمی طور پر اس کا اثر ہوگا اور جو شخص بھی اسے تھوڑی سی کھائے گا یا لگائے گا وہ اسی وقت صحت و عافیت پائے گا۔ اور اس خاکِ شفا کی مثال حجرِ اسود کی مانند ہے۔ حجرِ اسود پہلے یاقوت کی مانند انتہائی سفید تھا اور جو بیمار یا تکلیف میں مبتلا شخص خود کو اس سے مس کر دیتا تھا اسے اسی وقت صحت مل جاتی تھی۔ لیکن جب بیماری میں مبتلا افراد اور کافر و جاہل قسم کے لوگوں نے خود کو اس سے مس کرنا اور رگڑنا شروع کر دیا تو اس کا رنگ کالا ہو گیا اور اثر بھی کم ہو گیا!"

میں نے پوچھا:

"قربان جاؤں، میں یہ خاک شفا تربتِ حسینؑ سے کیسے اٹھاتا ہوں؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"تم بھی دوسروں ہی کی طرح تربتِ حسینؑ سے خاکِ شفا اٹھاتے ہو۔ یہ خاکِ شفا کھلی ہوئی اور یوں ہی آلودہ جگہ پر چھوڑ دیتے ہو۔ چنانچہ اس کی برکت نکل جاتی ہے۔"

میں نے کہا:

"آپؑ سچ فرماتے ہیں۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"میں تھوڑی سی خاکِ شفا تمھیں دیتا ہوں، کیسے لے جاؤ گے؟"

میں نے کہا:

"اپنے لباس میں رکھ کر لے جاؤں گا!"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"جو کچھ تم مجھ سے کہہ رہے ہو اس پر عمل نہیں کر سکو گے لہٰذا جتنی مرتبہ بھی خاک شفا ملا ہوا شربت پینا چاہو یہیں پی لو اور اپنے ساتھ مت لے جاؤ کیونکہ اس طرح یہ تمھارے لیے پوری طرح محفوظ اور سالم نہیں رہ پائے گی۔"

پھر اس کے بعد امامِ عالی مقامؑ نے مزید دو مرتبہ مجھے وہ شربت پلایا۔ اور پھر کبھی مجھے وہ مرض لاحق نہیں ہوا۔

خاکِ شفا کے بارے میں خواب

مرحوم الحاج مرزا حسین نوری کتاب "دارالسلام" میں لکھتے ہیں کہ میرے بھائیوں میں سے ایک بھائی جب گھر آیا اور والدہ کے پاس پہنچا تو اس کی نچلی جیب میں خاکِ شفا کی ٹکیہ تھی۔ چنانچہ میری والدہ نے اسے سخت تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

"تم خاکِ شفا اس جیب میں رکھتے ہو، یہ تو بے ادبی ہے اور اسے معمولی سمجھنا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تمھاری ران کے درمیان آکر ٹوٹ جائے!"

میرے بھائی نے کہا:

"ہاں، اب تک دو ایسی سجدہ گاہیں میری رانوں کے درمیان آکر ٹوٹ چکی ہیں۔ اور اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ اسے اپنی نچلی جیب میں نہیں رکھوں گا۔"

اِدھر یہ بات ہوئی اور اس کے چند روز بعد میرے والد علامہ بزرگوار نے اپنی کشف بین نگاہوں سے دیکھا کہ حضرت سید الشہداء ؑ ان کے کتب خانے میں آئے ہیں اور ان کے پاس بیٹھ کر بڑی مہربانی اور نرمی سے فرماتے ہیں:

"اپنے بچّوں کو بلاؤ تاکہ میں ان کو انعام دوں اور یہ لباس عطا کروں!"

میرے والد کے پانچ بیٹے تھے۔ چنانچہ انھوں نے سب کو بلایا اور ہم سب کے سب اس کمرے کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے جہاں سید الشہداء ؑ تشریف فرما تھے۔

امامِ مظلوم ؑ کے پاس کئی تہ بہ تہ کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ پھر وہ ہم میں سے ایک ایک کو بلاکر وہ کپڑے مرحمت فرماتے رہے لیکن جب میرے اس بھائی کی باری آئی جو خاکِ شفا اپنی قبا کی نچلی جیب میں رکھتا تھا تو امامِ عالی مقام ؑ نے اسے قہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور میرے والد کی جانب رُخ کرکے فرمایا:

"تمھارے اس بیٹے نے میری قبر کی خاک سے بنی ہوئی دو مہروں کو اپنی ران سے دباکر توڑ دیا ہے۔"

پھر امام علیہ السّلام نے اسے دوسرے بھائیوں کی طرح کمرے میں نہیں بلایا بلکہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنے کے لیے جو گدی استعمال ہوتی ہے اس پر کپڑا رکھ کر کمرے کے باہر اس کی طرف پھینک دیا۔

پھر میرے والد نے اپنا یہ خواب میری والدہ کو سنایا۔ میری والدہ نے جو کچھ میرے بھائی سے کہا تھا اور خاکِ شفا کے سلسلے میں جو تنبیہ اسے کی تھی اس کا تذکرہ میرے والد کے سامنے کردیا۔ یہ سُن کر میرے والد کو اپنے خواب کی صداقت پر بڑی حیرت ہوئی۔

شکرِ خدا اور گھر میں برکت

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک متقی اور پرہیزگار شخص تھا اور اس کی بیوی بھی نیک تھی۔ ایک مرتبہ اسے خواب میں ہدایت ہوئی:

"خداوندِ عالم نے تمھاری عمر اتنی مقرر کی ہے اور اس عمر کا آدھا حصّہ مالی اعتبار سے کشادگی اور وسعت کی صورت میں رکھا ہے جب کہ نصف حصّہ تنگ دستی اور فقر و فاقہ کی صورت میں قرار دیا ہے۔ اب یہ تمھیں اختیار ہے کہ چاہو تو اپنی زندگی کا ابتدائی حصّہ وسعت اور مالی فراوانی کی صورت میں گزارو، اور بقیہ نصف حصّہ تنگ دستی کی صورت میں بسر کرو یا اس کے برعکس پہلے تنگ دستی اور بعد میں مالی فراوانی والی زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کرو۔"

بنی اسرائیل کے اس شخص نے جواب دیا:

"میری نیک بیوی میرے ساتھ معاشی معاملات میں شریک رہتی ہے لہٰذا میں اس سے مشورہ کرکے جواب دوں گا۔"

صبح ہوئی اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا تو اس کی بیوی نے کہا:

"آپ اپنی زندگی کے ابتدائی نصف حصّے کو مالی اعتبار سے وسعت اور

فراوانی کی صورت میں اختیار کیجیے۔ اس طرح عین ممکن ہے کہ خداوندِ عالم ہم پر رحم فرمائے اور اپنی نعمتوں اور برکتوں کا سلسلہ جاری رکھے۔"

دوسری رات جب اس شخص سے خواب میں پوچھا گیا کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے تو اس نے جواب دیا:

"میں اپنی عمر کے ابتدائی نصف حصّے کو وسعت اور فراوانی کی صورت میں بسر کرنا چاہتا ہوں!"

اسے جواب ملا کہ ٹھیک ہے، ایسا ہی ہوگا۔"

اس کے بعد ہر طرف سے اس پر نعمت کے دروازے کھل گئے اور دنیاوی مال و دولت میں اضافہ ہوگیا۔ بیوی نے کہا:

اے شخص! تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو۔ پریشان حال لوگوں کی مدد کرو اور پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ اپنے فلاں بھائی کو یہ چیز بخش دو۔"

اور اس شخص نے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے میں کسی قسم کی سستی نہیں کی۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کا نصف حصّہ گزر گیا اور اس کے بعد وہی شخص اس کے خواب میں آیا اور یہ بشارت دی:

"اے شخص چونکہ تو نے راہ خدا میں مال و دولت خرچ کرنے کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور واقعاً شکرِ خدا کیا ہے لہٰذا تمھارے اس شکر کی وجہ سے اب تمھاری زندگی کا بقیہ آدھا حصّہ بھی پہلے کی طرح مالی اعتبار سے وسعت اور فراوانی کی صورت ہی میں ہوگا اور اس گھر میں خیر و برکت رہے گی۔

بچّہ اور قیامت کا خوف

تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے :

ایک بچہ صحیح سالم مدرسے گیا لیکن جب واپس آیا تو اسے بخار تھا اور آخرکار وہ بستر پر گر پڑا۔ جب اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا :

" آج میرے استاد نے مجھے یہ آیت یاد کرائی ہے :

" یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا۔"

(سورۂ مزمل: آیت ۱۷)

یعنی : "... جس دن (قیامت کا خوف) بچّوں کو بوڑھا کردے گا۔" میں اسی دن کے خوف کی وجہ سے سخت پریشان ہوں۔"

بچے نے یہ بات اپنے والد کو بتائی اور آخرکار وہ مرگیا۔ باپ نے اپنے بیٹے کی قبر پر روتے ہوئے کہا :

" میرے پیارے بیٹے ! تیری پاکیزہ فطرت اور نرم اور صاف ستھرا دل قرآن کی اس آیت سے اس قدر متاثر ہوا، حالانکہ سیاہ دل رکھنے والے تمھارے باپ کو اس دن کے خوف سے مرنا چاہیئے تھا۔"

فرعون نے بھی پانی جاری کر دیا!

روایت میں ہے کہ لوگوں نے فرعون سے کہا :

" تم ایک عرصے سے خدائی کا دعویٰ کر رہے ہو اور دریائے نیل خشک ہے! جب تم یہ کہتے ہو کہ میں خدا ہوں تو اس میں پانی جاری کردو۔"

اس نے کہا :

" بہت خوب، میں اس دریا کو جاری کیے دیتا ہوں!"

یہ کہنے کے بعد وہ اپنا لشکر لے کر شہر کے باہر آیا اور صحرا میں پہنچنے کے بعد اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا :

" تم لوگ یہیں ٹھہرو اور میں یہاں سے آگے جا کر تمھارے لیے دریا میں پانی جاری کردیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے نکل گیا اور اپنے لشکر والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ اس مقام پر کوئی نہیں تھا۔ فرعون اپنے گھوڑے سے اُترا۔ اُس نے اپنا تاج اُتارا اور خود کو زمین پر گرا دیا۔ اس حالت میں وہ یہ کہہ رہا تھا :

" اے تمام جہانوں کے خدا ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں جھوٹا ہوں۔ اور جھوٹ بولتا ہوں۔ لیکن میں آخرت نہیں چاہتا بلکہ دنیا کی بادشاہی اور حکومت

چاہتا ہوں ، مجھے رسوا مت کر ۔ خداوندا ! میں جانتا ہوں کہ تمام کام تیرے ہی ہاتھ میں ہے ۔ میری یہ حاجت بھی تیرے ہی حضور ہے اور تو دریا میں پانی جاری فرمادے ۔"

اس کے بعد دریائے نیل میں پانی جاری ہوگیا ۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے جو شخص بھی خدا سے جو کچھ چاہتا ہے وہ اسے عطا فرماتا ہے ۔ فرعون خود ہی کہہ رہا ہے کہ میں آخرت نہیں بلکہ دنیا چاہتا ہوں جیسا کہ شیطان نے بھی آخرت کے بجائے اس دنیا میں قیامت تک زندہ رہنے کی خواہش کی تھی جو کہ قبول ہوگئی ۔

ایک کھجور کھجوروں کے ڈھیر سے بہتر !

ایک شخص کے پاس کھجوروں کا کافی بڑا ذخیرہ موجود تھا ۔ اس نے مرتے وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے وصیت کی کہ کھجوروں کے اس ڈھیر کو میرے مرنے کے بعد راہِ خدا میں صدقہ فرما دیجیے ۔

جب وہ شخص مرگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کھجوروں کا وہ ڈھیر اس کی جانب سے صدقہ فرمادیا ۔ البتہ ایک کھجور پڑی رہ گئی ۔ آپؐ نے اُسے اپنے دستِ مبارک میں لینے کے بعد ارشاد فرمایا :

" اگر یہ شخص اپنی زندگی میں خود اپنے ہاتھ سے کھجور کا یہ دانہ راہِ خُدا میں دیتا تو اس کا یہ عمل اس کے مرجانے کے بعد اتنا بڑا کھجوروں کا ڈھیر جو میں نے اپنے ہاتھ سے صدقہ کیا ہے ، زیادہ بہتر ہوتا ! "

عُمر بن عبد العزیز اور بجلی کی کڑک

کتاب "حیوٰۃ الحیوان" میں ہے کہ بہار کا موسم تھا۔ عمر ابن عبد العزیز اپنے خلافت کے دور میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ بارش کی ہوائیں چلنے لگیں اور بادلوں کے سیاہ ٹکڑے افق پر منڈلانے لگے۔ ایسے میں بادلوں کی گھن گرج کے ساتھ زوردار بجلی کڑکی تو خلیفہ ڈر کر تخت سے نیچے اُتر آیا۔

یحییٰ ابن معاذ رازی بڑی اچھی اچھی نصیحتیں کرنے والے بزرگ وہاں موجود تھے۔ انھوں نے کہا:

"اے خلیفہ! رحمتِ خدا سے ڈرنا کیسا؟ بجلی کی کڑک بارش آنے کی بشارت دے رہی ہے اور اس خیر و برکت سے تم اس طرح گھبرا کر کانپ رہے ہو تو افسوس خداوندِ قہار کی پکار پر کیا عالم ہوگا!

عادل بادشاہ کا ہم سفر

ہندوستان کی ایک ریاست کا بادشاہ بڑا عادل اور انصاف پسند تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح عدل و انصاف سے کام لیتا تھا اور لوگوں کی بھلائی چاہتا تھا۔ لیکن اسی ریاست کے ایک شخص نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اپنے حامیوں کی مدد سے حکومت پر قبضہ کرنے کی فکر میں لگ گیا۔

عادل بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ فتنہ و فساد اور خون خرابہ ہوگا تو اس نے حکومت سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تخت و تاج چھوڑتے وقت اس نے وہ لباس پہن لیا جس میں قیمتی ہیرے جواہرات پوشیدہ تھے۔ یہ لباس پہن کر وہ ایک جانب چل نکلا۔

اس کے پاس نہ تو کچھ کھانے کو تھا اور نہ ہی روپیہ پیسہ۔ وہ پیدل چلتا ہوا صحرا میں پہنچا۔ وہ رات بھر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ دوسری صبح ایک نہر کے کنارے درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اسے ایک آدمی اپنی پشت پر کچھ اٹھائے ہوئے آتا دکھائی دیا۔ بادشاہ سوچنے لگا:

یقیناً یہ بھی کوئی مسافر ہے اور ہم دونوں ایک ساتھ اپنا سفر جاری

رکھ سکیں گے۔ یقیناً اس کے پاس کچھ کھانے کو بھی مل جائے گا۔

بالآخر وہ مسافر نہر کے کنارے آیا اور درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا دسترخوان کھولا اور کھانا کھانے لگا۔ اس مسافر نے تکلفاً بھی بادشاہ سے یہ نہیں کہا کہ آؤ کھانا کھالو۔

بادشاہ کی غیرت نے بھی یہ گوارا نہیں کیا کہ اسے بتائے کہ میں بھوکا ہوں۔ اس کے بعد یہ دونوں ایک ساتھ اپنا سفر طے کرنے لگے یہاں تک کہ پھر کھانے کا وقت آگیا۔ بادشاہ کے ہم سفر نے اس مرتبہ بھی اپنا دسترخوان کھولا اور بادشاہ کو جھوٹے منہ بھی پوچھے بغیر کھانا کھالیا۔

دو رات اور دو دن بادشاہ نے اس کنجوس آدمی کے ساتھ بغیر کچھ کھائے سفر کیا اور تیسرے دن وہ بالکل نڈھال ہو چکا تھا۔ اب اس میں آگے جانے کی ذرا بھی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ لہٰذا بادشاہ اپنے ہم سفر سے جدا ہو کر وہیں رُک گیا۔ اور اس کا ہم سفر آگے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد بادشاہ نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر ایک آبادی ہے۔ کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا وہ آبادی تک پہنچا۔ وہاں ایک مکان تعمیر ہو رہا تھا۔ بادشاہ نے مستری سے کہا:

"کیا مجھے یہاں کام مل سکتا ہے اور مجھے اس کام کی اُجرت ملے گی؟"

مستری نے کہا:

"کیوں نہیں!"

پھر اس نے اس بات کا تقاضا کیا کہ مجھے پیشگی اُجرت چاہیے۔ مستری نے یہ شرط بھی مان لی۔ بادشاہ نے اُجرت لی اور اس سے کھانا خرید کر کھایا اور پھر کام میں مشغول ہو گیا۔

مزدوروں کے استاد نے جب اسے کام کرتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ اس کی بعض حرکتیں تو بادشاہوں جیسی ہیں۔

زیرِ تعمیر مکان کی مالک ایک خاتون تھی۔ مستری نے اس خاتون کو بتایا کہ آج ایک ایسا مزدور کام کرنے آیا ہے۔ اس خاتون نے کہا کہ اسے میرے پاس لے آؤ!

رات کے وقت جب اسے لایا گیا تو خاتون نے پہلی ہی نظر میں اس کی بزرگی اور عظمت کو سمجھ لیا اور اس کو اپنا مہمان بنالیا اور ساتھ ہی شادی کی پیش کش بھی کی۔

بادشاہ خداوندِ عالم سے اپنے لیے کوئی جگہ چاہتا تھا کیونکہ اس کے پاس رہنے کے لیے کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے یہ پیش کش قبول کر لی اور یہ خاتون کے تمام اخراجات برداشت کرنے لگی۔

اس طرح تین سال گزر گئے اور اس عرصے میں بادشاہ نے کسی پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ کون ہے۔ تین سال کے بعد اس نے دیکھا کہ اس کی ریاست کا ایک آدمی کسی معاملے کی تلاش اور تفتیش میں مصروف ہے۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا:

"ہندوستان کا کیا حال ہے؟

اس نے کہا:

"ہمارا ایک عادل بادشاہ تھا۔ ایک شخص نے اس کے خلاف بغاوت کی اور حکومت پر قابض ہو گیا۔ اس طرح وہ تین سال تک ہم پر مسلط رہا۔ اور اس نے طرح طرح کے ظلم وستم ہم پر کیے۔ آخر کار جب عوام اس سے تنگ آگئے تو انھوں

نے اس ظالم حاکم کو ہلاک کر دیا۔ اب وہاں کے عوام نے اپنے عادل بادشاہ کو تلاش کرنے کے لیے ارد کے علاقوں میں آدمی بھیجے ہیں کہ شاید وہی بادشاہ دوبارہ مل جائے۔"

بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنا تعارف کرایا اور ساتھ ہی اپنا وہ شاہی لباس بھی دکھایا جس میں قیمتی ہیرے جواہرات پوشیدہ تھے۔

اپنی بیوی کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بادشاہ نے کہا:

"میں جا رہا ہوں اگر بلا کسی رکاوٹ کے مجھے اقتدار حاصل ہو گیا تو میں تمہیں اپنے پاس بلوا لوں گا!"

اس کے بعد قاصد نے جا کر ہندوستان کے لوگوں کو یہ احوال بتایا۔ لوگ جوق در جوق اس کا استقبال کرنے کے لیے آئے اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے دوبارہ تختِ حکومت پر بیٹھ گیا۔

بادشاہ کو اپنی خود ساختہ جلاوطنی میں خوب اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ سفر میں کتنی دشواری ہوتی ہے اور خاص طور پر اگر آدمی تنگ دست ہو تو اس کے لیے سفر کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دوبارہ بادشاہت حاصل کرنے کے بعد اس نے یہ حکم صادر کر دیا کہ ہر مسافر خانے اور سرائے میں باقاعدہ ملازمین رکھے جائیں جو رات دن باری باری ڈیوٹی انجام دیں اور ہر مسافر خانے اور سرائے سے تمام مسافروں کو تین دن کا زادِ راہ دیا جائے۔

ساتھ ہی بادشاہ نے یہ حکم بھی صادر کیا کہ جب بھی کوئی غریب مسافر میرے شہر میں آئے تو اسے میرے پاس لایا جائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی ایسی حاجت ہو جسے میں پورا کر سکوں۔

کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ایک مرتبہ وہی کنجوس شخص جو بادشاہ کی جلاوطنی کے زمانے میں اس کا ہم سفر بنا تھا اور دو دن اور دو رات اس کے ساتھ

سفر کیا تھا، بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ نے فوراً ہی اُسے پہچان لیا اور پوچھا:

"تم نے مجھے پہچانا؟"

اس نے کہا:

"آپ بادشاہ ہیں!"

بادشاہ نے کہا:

"نہیں! میں تمہارا وہی ہم سفر ہوں جس نے دو دن تمہارے ساتھ گزارے تھے۔"

اس کنجوس شخص کو جیسے ہی اس حقیقت کا پتہ چلا تو وہ شرم کے مارے زمین میں گڑ گیا۔

بادشاہ نے کہا:

"نہیں نہیں! تمہیں کُڑھنے اور شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم مجھ سے نیکی کے علاوہ اور کچھ نہیں پاؤ گے۔"

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس مہمان کو میرے ذاتی کمرے میں جگہ دی جائے۔ بادشاہ نے اسے اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھلایا اور ہر طرح سے اس کی آؤ بھگت کی۔ اس نے اس کی عزت و اکرام میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ اس نے بہترین قسم کی کنیزیں بھی اس کی خدمت کے لیے اس کے حوالے کر دیں۔

پھر جب رات کو وہ شاہی بستر پر سویا تو کنیز نے تھوڑی ہی دیر بعد آ کر اطلاع دی:

"آپ کا مہمان بڑے آرام سے سو رہا ہے!"

بادشاہ نے کہا:

"تمھیں دھوکا ہو رہا ہے۔ وہ سو نہیں رہا بلکہ مر گیا ہے۔"

جب جا کر دیکھا گیا تو پتہ چلا کہ واقعتاً ایسا ہی ہے۔ بادشاہ نے اس کی وجہ یوں بیان کی:

"درحقیقت یہ شخص حیرت، افسوس اور شرمندگی کی وجہ سے اپنے آپ پر خود غصہ کر رہا تھا اور میں چاہتا بھی یہی تھا کہ اسے اپنے اوپر بری طرح غصہ آئے۔ اور اس طرح وہ خود بخود اپنے بُرے انجام تک پہنچ جائے۔

بہشت میں حضرت داؤدؑ کا ساتھی

حضرت داؤد علیہ السلام نے پروردگارِ عالم سے دعا کی کہ خداوندا! جو شخص بہشت میں میرا ساتھی ہوگا اس سے مجھے ملوا دے۔ بھلا وہ کتنا بڑا صاحب ایمان اور خدا سے محبت کرنے والا ہوگا۔

آواز آئی کہ کل شہر کے دروازے سے باہر نکلنا وہ تمھیں مل جائے گا۔

دوسرے دن حضرت داؤد علیہ السلام شہر کے دروازے سے جب باہر نکلے تو ان کی ملاقات حضرت یونسؑ کے والد متی سے ہوئی۔ متی لکڑیوں کا گٹھا اپنے کاندھے پر اٹھائے ہوئے تھے اور وہ اسے فروخت کرنے کے لیے گاہک کی تلاش میں تھے۔

اتنے میں ایک شخص نے آکر لکڑیوں کا وہ گٹھا خرید لیا۔ حضرت داؤدؑ نے آگے بڑھ کر متی سے مصافحہ کیا اور گلے ملے۔ پھر حضرت داؤدؑ نے کہا:

"کیا میں آج آپ کا مہمان بن سکتا ہوں؟"

متی نے کہا:

"زہے نصیب، آئیے!"

جنابِ متی نے لکڑیوں کے گٹھے سے حاصل ہونے والی رقم سے آٹا

اور نمک خریدا اور پھر اس سے اپنے اور حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے لیے روٹی تیار کی۔

روٹی کھانے سے پہلے جناب متی نے آسمان کی جانب سر بلند کر کے کہا:

"پروردگارا! وہ لکڑی جو میں نے کاٹی اس کا درخت تو نے ہی پیدا کیا تھا۔ تو نے ہی میرے بازوؤں میں لکڑیاں کاٹنے کی طاقت عنایت کی تھی اور تو نے ہی مجھے لکڑیوں کے اس گٹھے کو اُٹھانے کی سکت عطا کی۔ پھر تو نے ہی اس کی خریداری کے لیے میرے پاس گاہک بھیجا۔ یہ آٹا جو ہمارے پکا ہوا رکھا ہے اس کا گندم تو نے ہی اپنے قبضۂ قدرت سے خلق فرمایا ہے۔ اور اب ہم تیری اس نعمت کو استعمال کر رہے ہیں!"

اتنا کہنے کے بعد جناب متی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

حضرت داؤدؑ نے حضرت سلیمانؑ کی طرف رُخ کرتے ہوئے کہا:

"یہی شکر ہے جو انسان کو بلند مرتبے تک پہنچا دیتا ہے!"

یعنی اسی شکر گزاری کی وجہ سے متی کو بہشت میں حضرت داؤدؑ کا ساتھی بنایا گیا ہے۔

کرائے کا گھر اور ساز و سامان

ایک شخص مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کے گھر آیا۔ گھر میں انتہائی معمولی اور مختصر سا ساز و سامان دیکھ کر بولا:

"یا علیؑ! آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں اور آپؑ کا یہ معمولی سا طرزِ زندگی؟"

حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا:

"عقل مند آدمی کرائے کے گھر میں بہت زیادہ سامان نہیں رکھتا، ہمارے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ ہم بعد کے لیے (یعنی آخرت کی ابدی زندگی کے لیے) بھیج دیتے ہیں!"

وہ جگہ جو عارضی نوعیت کی ہو اسے اہمیت دینا عقل کے خلاف ہے۔

عرشِ چہارم اور ملک الموت

معراج کی روایتوں میں ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرشِ چہارم پر ایک فرشتہ کے قریب پہنچے تو اسے بہت مصروف پایا۔ حالانکہ دوسرے فرشتے بڑی آسودگی کی حالت میں تھے۔ مختصر یہ کہ آنحضرتؐ کو جبرائیل نے بتایا کہ یہ ملک الموت ہے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا:

"اس کے سامنے یہ تختی کیسی ہے؟"

جواب ملا:

"اس تختی پر تمام جان داروں کے نام ہیں!"

اتنے میں خود اس فرشتے نے پیغمبر اکرمؐ کو بتایا:

"جب بھی کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو اس کا نام اس تختی سے مٹ جاتا ہے۔ چنانچہ میں فوراً ہی اس کی روح قبض کر لیتا ہوں۔ اور یہ پوری دنیا میرے سامنے دسترخوان پر لگے ہوئے مختلف کھانوں کی مانند ہے۔ جس طرح آدمی بڑی آسانی کے ساتھ دسترخوان سے ہر قسم کے کھانے لے سکتا ہے اسی طرح میں بھی جس کی موت کا وقت آپہنچتا ہے اس کی روح آسانی سے قبض کر لیتا ہوں۔ موت کا پیغام کسی

بھی وقت آجاتا ہے خواہ وہ حالتِ جنگ میں ہو یا کسی اور جھگڑے میں الجھا ہوا ہو۔

روایت میں ہے کہ آدمی بازار میں خرید و فروخت کر رہا ہوتا ہے اور ابھی بیچنے والا اپنا مال خریدار کے حوالے نہیں کر پاتا کہ اتنے میں موت کا پیغام آجاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہوتی!

حوُر کا چمکتا ہوا چہرہ

کتاب بحر المعارف میں ایک بزرگ عالم سے نقل ہے کہ:

مجھے ایک مرتبہ حور دکھائی دی جس کا چمکتا ہوا چہرہ اور حسن و جمال دیکھ کر میں بے خود ہو گیا۔ میں نے کہا:

"تم کون ہو؟"

اس نے کہا:

"خدا نے مجھے تمھارے لیے خلق کیا ہے!"

میں نے چاہا کہ اس کے قریب جاؤں لیکن اس نے دوری اختیار کی اور کہا:

"وصال مرنے کے بعد ہی ممکن ہے!"

میں نے پوچھا:

"تمھارے چہرے میں اتنی چمک دمک اور کشش کیوں ہے؟"

اس نے بتایا:

"یہ تمھاری آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کا کرشمہ ہے!"

عالی شان محل میں دو۲ بڑے عیب

پُرانے زمانے میں کسی بادشاہ نے ایک عالی شان اور بے مثال محل تعمیر کروایا۔ جب محل تعمیر ہو گیا تو اس نے اپنی رعایا کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کو محل دیکھنے کی دعوت دی اور ساتھ ہی محل کا جو دروازہ باہر نکلنے کے لیے مخصوص تھا وہاں پر ایک رجسٹر پر یہ لکھ کر رکھ دیا کہ اگر کسی شخص کو اس محل میں کسی قسم کا نقص یا عیب نظر آئے تو وہ اس رجسٹر میں لکھ دے تاکہ اس نقص یا عیب کو دور کیا جا سکے۔

جب رجسٹر دیکھا گیا تو پتہ چلا کہ سبھی لوگوں نے اس محل کی تعریف کی البتہ دو آدمیوں نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا!

آدمی بھیجے گئے اور ان دونوں آدمیوں کو بلایا گیا۔ ان سے پوچھا گیا: کہ انھوں نے اتنے شاندار محل میں کیا عیب پایا ہے؟

انھوں نے بتایا:

"اس عمارت میں دو۲ عیب ہیں لیکن اس کا تدارک ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا بیان کرنا بے فائدہ ہے۔ اور اس کے علاوہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں بادشاہ سلامت سُن کر ناراض نہ ہو جائیں۔"

بادشاہ نے کہا :

" کوئی حرج نہیں ، کہو کیا کہنا چاہتے ہو ؟ "

انھوں نے کہا :

" اس محل کا پہلا عیب یہ ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ خراب ہو جائے گا اور دوسرا عیب یہ ہے کہ اس کا مالک اس سے جُدا ہو جائے گا ! "

چند دن کی زندگی میں کس چیز سے دل لگاتے ہو ؟

مجھے آگ کی طرف کھینچ کر لے جاؤ

علاّمہ تبریزی نے اپنی کتاب " اسرار الصلوٰۃ " میں علامہ شیخ مہدی مازندرانی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے :

یہ بزرگ مجتہد اگر کبھی خود کو خدا سے غافل محسوس کرتے تو اپنے بیٹے اور ملازم کو لے کر شہر سے باہر نکل جاتے تھے اور اپنے بیٹے اور ملازم سے کہتے تھے :

" میرے حکم پر عمل کرنا تم دونوں کے لیے ضروری ہے یا نہیں ؟ "

یہ دونوں جواب دیتے :

" کیوں نہیں ، آپ کی بات ماننا ہمارے لیے ضروری ہے ۔ "

اس کے بعد آپ فرماتے :

" میں لکڑیاں میدان میں جمع کرتا ہوں ، تم بھی لکڑیاں جمع کرو ! "

پھر علاّمہ مہدی مازندرانی یہ حکم دیتے تھے کہ لکڑیوں کو جلاؤ اور مجھے اس آگ کی طرف کھینچ کر لے جاؤ ! اس حالت میں یہ شیخ بزرگوار اپنے آپ سے کہتے تھے :

" اے بوڑھے گناہ گار ! یہ خیال کر کہ گویا قیامت برپا ہو چکی ہے اور تجھے پکڑ کر آگ میں ڈالنے کے لیے لے جایا جارہا ہے ۔ تو بھلا اس آگ کی گرمی کیسے برداشت

کر سکے گا۔ تجھ سے تو صرف آگ کی قربت اور تپش بھی برداشت نہیں ہوتی ہے!"

اس طرح وہ اپنے آپ کو خدا سے غافل نہیں ہونے دیتے تھے۔

شیخ بزرگوار کا یہ عمل اپنے مولا و آقا حضرت علی علیہ السلام کے اس طرزِ عمل سے مماثلت رکھتا ہے کہ جب انھوں نے ایک یتیم کے لیے تنور جلایا اور آگ کی گرمی پہنچی تو آپؑ نے فرمایا:

"اے علیؑ! اس آگ کی گرمی کا مزہ چکھو کیونکہ تم آخرت کی آگ کی گرمی کا مزہ چکھنے کی سکت نہیں رکھتے ہو۔"

مدّعی اور مدّعا علیہ کے درمیان مساوات

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے حالاتِ زندگی میں ملتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر کے دور میں ایک شخص نے آپؑ کے خلاف دعویٰ کر دیا۔ معاملہ قاضی کے پاس پہنچا۔ امیر المومنین علیؑ، مدعی کے ساتھ حضرت عمر کے پاس آئے۔

حضرت عمر نے مدعی کا نام لیا مثلاً یہ کہا:

"اے زید بیٹھو!"

اور مولا علیؑ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے ابو الحسن! تشریف رکھیے!"

یہ سلوک دیکھ کر حضرت علی علیہ السلام نے انھیں تُند نگاہوں سے دیکھا۔ حضرت عمر نے جب یہ انداز دیکھا تو دریافت کیا:

"کیا بات ہے؟"

امیر المومنین حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا:

"تم نے مدّعی اور مدّعا علیہ کے درمیان مساوات کیوں نہیں برقرار رکھی؟ مجھے بڑے احترام سے میری کنیت سے پکارا لیکن میرے مدّمقابل کا نام لے کر یاد کیا! چاہیے تو یہ تھا کہ یا دونوں کو کنیت سے پکارا جاتا یا دونوں کا نام لیا

جاتا۔ عدالت میں قاضی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مدعی یا مدعاعلیہ میں سے کسی ایک کو ترجیح دے۔ چاہے یہ ترجیح ظاہری طور پر مخاطب کرنے کے اعتبار ہی سے کیوں نہ ہو۔ یا تو دونوں کو عزت و احترام سے پکارا جائے یا پھر دونوں میں سے کسی کو بھی احترام سے نہ پکارا جائے!"

صحرائی خاتون کا صبر!

حاجیوں کا قافلہ بیابان سے گزرتا ہوا ایک خیمے کے قریب پہنچا۔ قافلے والوں نے قریب پہنچ کر اجازت طلب کی تو صحرا میں رہنے والی خاتون نے کہا:

"خوش آمدید اے خانۂ خدا کے زائرو! میرے اونٹ چراگاہ میں گئے جب واپس آئیں گے تو میں تمھاری مہمان نوازی کروں گی۔

قافلے والے وہاں آرام کرنے لگے۔ خاتون باہر نکلی۔ اس نے دیکھا کہ اونٹوں کی دیکھ بھال کرنے والا روتا پیٹتا چلا آرہا ہے۔ اس نے قریب آکر خاتون کو بتایا:

"اُونٹ جب کنوئیں کے قریب پہنچے تو وہ ایک دوسرے سے لڑ پڑے ان کو چھُڑاتے ہوئے تمھارا بیٹا کنوئیں میں گر گیا!"

چرواہے نے آہ و زاری کرتے ہوئے مزید کہا:

"خاتون! یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ کنواں کتنا گہرا ہے اور اس میں کافی مقدار میں پانی موجود ہے۔ اس کے اندر گرنے کے بعد کسی کے زندہ رہنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا!"

خاتون فوراً آگے بڑھی تاکہ اونٹوں کی دیکھ بھال کرنے والے کو خاموش

کرائے۔ خاتون نے اس سے کہا:

"اس وقت ہمارے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ زور زور سے مت چیخو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مہمانوں کے آرام میں خلل پڑے! مہمان نوازی تو ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔"

اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ایک دُنبہ ذبح کیا جائے تاکہ مہمانوں کی خاطر و مدارات کی جاسکے۔ جب وہ خاتون خیمے میں آئی تو حاجیوں نے اس سے کہا:

"ہمیں بہت افسوس ہے کہ ایسے موقعے پر ہم آپ کو زحمت دے رہے ہیں جب کہ اس قسم کا سانحہ آپ کے ساتھ پیش آچکا ہے۔"

خاتون نے کہا:

"محترم حجاجِ کرام! میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ کو اس واقعہ کا علم ہو اور آپ لوگ اس سے متاثر ہوں۔ لیکن اب جب کہ آپ کو اس کا علم ہو ہی چکا ہے تو مجھے اجازت دیجیے کہ میں دو رکعت نماز پڑھوں۔"

حاجیوں نے پوچھا:

"کیوں؟"

خاتون نے کہا:

"اس لیے کہ قرآن مجید میں خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے:

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ

یعنی: "صبر (و استقامت) اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو۔"

"میں چاہتی ہوں کہ اس مصیبت اور آزمائش میں نماز کے ذریعے مدد طلب کروں!"

ہم اور آپ بھی قرآن کے ماننے والے ہیں اور قرآن مجید کا نام لیتے ہیں

لیکن اس ایک آیت پر صحرا میں رہنے والی خاتون عمل کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اور وہ صبر اور نماز کے ذریعے راضی بہ رضائے الٰہی ہے!

بعد میں اس نے پوچھا:

"تم میں سے کون کون قرآن کی تلاوت کرسکتا ہے؟"

حاجیوں میں سے ایک نے مصیبت کے موقعے پر پڑھی جانے والی اس آیت کی تلاوت کی:

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ"

خاتون نے کہا:

"خداوندا! اگر اس دنیا میں کوئی شخص ہمیشہ باقی رہ سکتا تو اس کے سب سے زیادہ مستحق تیرے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ انھیں باقی رہنا چاہیے تھا۔ پروردگارا! تو نے قرآنِ مجید میں صبر کا حکم دیا ہے اور صابر کو جزا دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں اپنے جوان بیٹے پر صبر کرتی ہوں تو اس کے بدلے مجھے اجر و ثواب عطا فرما اور میرے اس جوان بیٹے کی مغفرت فرما۔"

یہ کہنے کے بعد وہ خاتون اپنے کام کاج میں اس طرح مشغول ہو گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

سکندر سے تین گزارشات

مشہور بادشاہ سکندر کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب اُس نے ایک ملک کے شہزادے کو گرفتار کیا تو اس نے سکندر سے کہا "اگر تم میرے دوست بن کر ہمیشہ یہاں رہ جاؤ تو جو کچھ تم مجھ سے چاہو گے میں تمھیں دوں گا۔ البتہ میری تم سے تین درخواستیں ہیں پہلے ان کو پورا کردو۔"

سکندر بولا:

"وہ درخواستیں کیا ہیں؟"

شہزادے نے کہا:

"اوّل یہ کہ میری جوانی ہمیشہ اسی طرح محفوظ اور باقی رہے!"

سکندر نے جواب دیا:

"میں اپنا مال محفوظ نہیں رکھ سکتا تو تمھاری جوانی کی حفاظت بھلا کیسے کرسکتا ہوں۔"

شہزادے نے کہا:

"دوسرے یہ کہ میری خیر و عافیت کی ضمانت فراہم کرو اور تیسرے یہ کہ میرے باقی رہنے کے سلسلے میں مجھے اطمینان فراہم کرو۔"

سکندر نے کہا:

"یہ تین چیزیں جو تم چاہتے ہو، وہ میرے بس میں نہیں ہے! اور میرے کیا کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ تو خالقِ کائنات کے دستِ قدرت میں ہے۔ تمام حکیم اور ڈاکٹر ہر قسم کے وسائل رکھنے کے باوجود خود کو موت سے بچانے پر قادر نہیں ہیں۔

لہٰذا خوب اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ سب کے سب اس کے بندے اور غلام ہیں اور اس کے دستِ قدرت سے باہر نہیں ہیں۔"

حسینؑ نے چپکے ہوئے ہاتھ علیحدہ کیے

ایک آدمی بڑا ڈھیٹ تھا۔ وہ نامحرم کو دیکھنے اور چھونے سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مسجدِ حرام میں بھی اس گناہ کا مرتکب ہوگیا۔

حجرِ اسماعیلؑ جہاں لوگ توبہ و استغفار کرتے ہیں اور خداوندِ عالم سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ وہیں ایک عورت خانۂ کعبہ کے پردے سے لپٹی ہوئی تھی اور اپنے ہاتھوں سے خانہ کعبہ کے پردے کو تھامے ہوئے تھی۔ اس بدبخت اور ڈھیٹ آدمی نے اپنا ہاتھ اس عورت کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

یک بیک دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے چپک گئے اور ذلت و رسوائی کا سامان ہوگیا۔

کتاب "مناقب" کے مطابق انھیں مسجد کے قاضی کے پاس لے جایا گیا۔ قاضی نے کہا:

"چاقو سے کاٹے بغیر دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوسکتا!"

سب لوگ حیران تھے۔ یہ وہ موقع تھا کہ جب امام حسین علیہ السلام حج کے لیے مکّہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں آپؑ کا گزر وہاں سے ہوا

تو لوگ ان دونوں کو امام حسین علیہ السلام کے پاس لے آئے۔ اور سارا ماجرا آپؑ کے حضور بیان کر دیا۔

امامِ عالی مقام نے اس آدمی سے پہلے یہ وعدہ لیا کہ وہ آئندہ ایسا گناہ نہیں کرے گا۔ اس کے بعد آپؑ نے دعا فرمائی اور چپکے ہوئے ہاتھ کو اپنے دستِ مبارک سے علیحدہ فرما دیا۔

عورت کی گردن پیچھے رہ گئی

ایک عورت کے شوہر نے دوسری شادی کرلی۔ ظاہر ہے کہ وہ ہر وقت اپنی سوکن سے جلتی رہتی تھی۔ ایک دن جب اس کا شوہر گھر پہنچا تو وہ نماز پڑھ رہی تھی۔ اس کا شوہر اپنی دوسری بیوی کی طرف چلا گیا۔ اس عورت نے نماز ہی کی حالت میں یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کا شوہر کیا کر رہا ہے اپنی گردن گھمائی تو اس عورت کی گردن پیچھے ہی رہ گئی!

بیچاری وہ عورت اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ کسی طبیب کو بلاؤ۔ پھر اسے جہاں کہیں بھی علاج معالجے کے سلسلے میں دکھایا گیا اس نے یہی کہا:

"اگر کسی نے بھی زور دے کر یا جھٹکے سے اس کی گردن سیدھی کرنے کی کوشش کی تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی!"

پھر اس عورت کو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا۔ امام علیہ السلام نے اسے توبہ کرنے کا حکم دیا اور جب اس نے سچی توبہ کرلی تو آپؑ نے اپنا دست مبارک آگے بڑھا کر اس کی گردن سیدھی کردی۔

شاہی محل اور ایاز کا پھٹا پرانا لباس

سلطان محمود غزنوی اپنے غلام ایاز سے خاص اُنس رکھتا تھا اور اسے دوسرے درباریوں کی نسبت زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ اسے اپنے تمام کاموں میں شریک رکھتا تھا اور اس سے مشورہ لیے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔

بادشاہ کے اس سلوک کو دیکھ کر درباری بہت جلتے تھے کہ یہ معمولی سا غلام، بادشاہ کا اتنا مقرب کیوں ہے؟

یہی وجہ تھی کہ ایک مرتبہ انھوں نے بادشاہ سے کہا:

"ایاز آپ کے ہیرے جواہرات کو چُرا چُرا کر ایک جگہ چھپا رہا ہے اور اس کے لیے اس نے ایک کمرہ مخصوص کرلیا ہے۔ اس کمرے کے دروازے پر ہمیشہ تالا پڑا رہتا ہے اور کوئی بھی شخص اس میں نہیں جا سکتا ہے۔ ایاز تن تنہا ہر چند روز بعد اس میں جاتا ہے اور چُرائے ہوئے قیمتی جواہرات وہاں چھپا کر باہر نکل آتا ہے اور پھر کمرے کو مقفل کر دیتا ہے۔ درحقیقت اس طرح وہ آپ کا خزانہ خالی کر دینا چاہتا ہے!"

بادشاہ کو اپنے درباریوں کی اس بات پر یقین نہیں آیا لیکن پھر بھی ان کو مطمئن کرنے کے لیے اس نے حکم دیا کہ سب کے سب جائیں اور کمرے کا

دروازہ توڑ کر جو کچھ بھی اس میں ہے وہ لے آئیں۔

درباری جب اس کمرے میں پہنچے تو وہاں انھوں نے سوائے ایک چرواہے کے پھٹے پرانے لباس اور ایک ایسا جوتا جسے جھاڑیاں کاٹنے والے پہنتے ہیں، کچھ اور نہیں ملا!

پھر زمین کھودنے والے مزدور بلائے گئے۔ انھوں نے کمرے کی زمین کافی حد تک کھودی۔ لیکن اس سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوا۔

انھوں نے سارا ماجرا بادشاہ کو بتا دیا۔ سلطان محمود نے ایاز کو بلوایا اور اس سے پوچھا:

"تم نے ایسا کام کیوں کیا؟ آخر ایک کمرے کو مخصوص کر کے اس میں پھٹا پرانا چرواہے کا لباس اور ایسا جوتا جسے پہن کر جھاڑیاں کاٹتے ہیں اور کمرے میں تالا ڈال کر رکھنے کا کیا مقصد ہے؟! تمھارا یہ طرزِ عمل دوسروں کو اپنے آپ سے بدگمان کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم ہوتا!"

ایاز نے جواب دیا:

"میں بادشاہ سلامت کو اصل حقیقت بتا دیتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں پہلے ایک چرواہا تھا۔ جھاڑیاں اور گھاس پھونس کاٹنا بھی میرا کام ہوا کرتا تھا۔ اور اب میں بادشاہ کا وزیر بن گیا ہوں۔ صرف اس لیے تاکہ میں اپنی پہلی حالت کو نہ بھولوں میں نے اس زمانے کا لباس اور جوتا کمرے میں محفوظ کر رکھا ہے۔

جب میں اپنا یہ لباس اور جوتا دیکھتا ہوں تو خود اپنے آپ سے کہتا ہوں:

اے ایاز! تم وہی چرواہے ہو اور یہ تمھارا لباس ہے۔

اور آج تم یہ درباری لباس پہن کر اپنی پہلی حالت مت بھولنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم غرور اور تکبر کا شکار ہو جاؤ!

اور بہرحال میں اپنا یہ پھٹا پرانا لباس اور جوتا اس لیے دیکھتا ہوں تاکہ مجھ سے کسی قسم کا ظلم وستم سرزد نہ ہونے پائے!"

سلطان محمود غزنوی ایاز کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور اس طرح اس کے نزدیک ایاز کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی!

زائرِ حسینؑ کے لیے زحمت

نجفِ اشرف کے بعض قابلِ اعتماد افراد نقل کرتے ہیں کہ مرحوم آخوند ملاحسین قلی ایک دن جب اپنے استاد مرحوم آخوند مجتہد کے پاس درس کے لیے پہنچے تو انھوں نے اپنے شاگرد سے پوچھا:

"کل رات تم نے کون سا نیک کام کیا ہے؟"

شاگرد نے جواب دیا:

"کوئی بھی تو ایسا کام نہیں کیا!"

استاد نے فرمایا:

"ایسا نہیں ہوسکتا! گزشتہ رات جو کچھ بھی تم نے کیا ہے، مجھے بتاؤ؟"

شاگرد نے بتایا:

"گزشتہ شب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی مناسبت سے عیدِ غدیر کی شب تھی اور کچھ لوگ کربلائے معلّٰی سے امام حسین علیہ السلام کے روضے کی زیارت کر کے نجف اشرف آئے ہوئے تھے اور یہ میرے کمرے میں ٹھہرے تھے۔ میرا کمرہ بہت چھوٹا ہے۔ ہم سب رات کا کھانا کھا کر سو گئے۔ تقریباً آدھی رات کو مجھے سانس لینے میں تکلیف محسوس ہوئی اور مجھے اپنے سینے پر بوجھ سا لگا۔ چنانچہ

میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے مہمانوں میں سے ایک مہمان کا پاؤں میرے سینے پر رکھا ہوا ہے۔ اور وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ میں نے چاہا کہ اس کا پاؤں اٹھا کر نیچے کر دوں لیکن پھر اس خیال سے کہ وہ میرا مہمان ہے اور زائرِ حسینؑ ہے اور ساتھ ہی علماء میں سے ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "اکرموا الضیف" یعنی "مہمان کی عزت کرو۔" لہٰذا میں نے یہ زحمت برداشت کر لی اور اس کے پاؤں کو اپنے سینے سے نہیں ہٹایا یہاں تک کہ اس نے اپنی مرضی سے سوتے سوتے اپنا پاؤں خود ہٹا لیا۔"

یہ سن کر مرحوم آخوند نے فرمایا:

"یہی وجہ ہے کہ میں تمھارے اندر ایسا نور دیکھ رہا ہوں جو اس سے پہلے نہیں تھا۔ اور اس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ تم نے کل رات کوئی نہ کوئی نیک کام ضرور کیا ہے!"

جھگڑا کیسے ہوتا ہے؟

کہتے ہیں کہ جوتوں کی مرمت کرنے والا ایک شخص بہت بداخلاق مشہور تھا اور وہ اکثر جھگڑا کیا کرتا تھا۔ ایک دن صبح ہی صبح کسی شخص کو جو کہ بے روزگار بھی تھا معلوم نہیں کیا سوجھی کہ وہ اس کی دکان پر آیا۔ سلام کرنے اور خیریت دریافت کرنے کے بعد بولا:

" مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ دراصل میں آپ سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جھگڑا کیسے ہوتا ہے؟ آخر اس کی اصل وجہ کیا ہے؟"

موچی نے کہا:

" صبح ہی صبح تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو۔ بلاوجہ یہ مذاق کیوں کرتے ہو؟"

اس نے کہا:

" نہیں بھئی، میں مذاق نہیں کر رہا۔ آپ کو بتانا ہوگا کہ جھگڑا کیسے ہوتا ہے؟"

موچی برہم ہوگیا اور بولا:

" فضول باتوں میں پڑنے والے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید تم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہو، مجھے کیا پتا جھگڑا کیسے ہوتا ہے!"

وہ شخص بولا:

" میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم میرے اس سوال کا جواب نہیں دو گے!"

موچی نے کہا:

" شرم کرو، اپنا سارا وقت یوں ہی بے کار گنواتے ہو اور دوسروں کو بھی کام نہیں کرنے دیتے۔ چھوڑو مجھے کام کرنے دو۔"

مختصر یہ کہ یہ لفظی بحث اتنی بڑھی کہ سچ مچ جھگڑا ہونے لگا اور موچی نے سلائی کرنے والا سُوا اس شخص کے سر پر دے مارا اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔

جیسے ہی سر پر چوٹ لگی وہ شخص فوراً ہی کہنے لگا:

" بس بس! کافی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ جھگڑا کیسے ہوتا ہے۔ جب ایک آدمی کوئی بات کہتا ہے اور دوسرا اسے ٹالنا چاہتا ہے لیکن وہ اپنی بات پر اَڑ جاتا ہے اور اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو اسی وجہ سے جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔

شروع شروع میں کوئی بات نہیں ہوتی یا بہت ہی معمولی سی بات ہوتی ہے۔ لیکن جب آدمی اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو نتیجے میں تلخ کلامی شروع ہو جاتی ہے اور پھر نوبت گالم گلوچ تک پہنچ جاتی ہے یہاں تک کہ ہاتھا پائی شروع ہو جاتی ہے اور خدا نہ کرے اس کے بعد چھری چاقو اور ڈنڈے نکل آتے ہیں۔

میں اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہوں

ایک بزرگ گلی سے گزر رہے تھے کسی نے چھت سے کوڑا کرکٹ ان کے سر پر پھینک دیا۔ انھوں نے اپنا سر اُٹھاتے ہوئے کہا :

"خداوندا! تیرا شکر ہے کہ مجھ ایسے گناہ گار کے سر پر بجائے سخت پتھر کے نرم نرم کوڑا کرکٹ ڈالا گیا۔ میں اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہوں!"

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالاتِ زندگی میں آپ سب نے پڑھا یا سُنا ہوگا کہ آپؐ کے سر پر بار بار کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا تھا اور آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تھے جس سے آپؐ کے پاؤں سے خون رسنے لگتا تھا۔ اس کے علاوہ آپؐ کے جسمِ اقدس پر اونٹ کی کثیف آنت اور اوجھڑی ڈال دی جاتی تھی! لیکن پیغمبرِ اکرمؐ اس کے جواب میں سب کے لیے یہ دعا فرماتے تھے :

"اللھم اھد قومی انھم لا یعلمون۔"

یعنی: "خداوندا! میری قوم کی ہدایت فرما۔ کیوں کہ یہ لوگ نادان ہیں۔"

آنحضرتؐ اپنی امت کے لیے دعا فرماتے ہیں اور کسی قسم کے عذاب کی بددعا نہیں کرتے۔ آپ کی سیرت پر ہم سب کو عمل کرنا چاہیے!

خونریزی کا خاتمہ

عرب خانہ بدوشوں کے قبیلے کا ایک سردار رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب یہ رخصت ہونے لگا تو آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی :

"یا رسول اللہؐ! مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمائیے تاکہ میں اس سے فائدہ اُٹھاؤں!"

رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا :

"لا تغضب"

یعنی: "غصّہ مت کرو۔"

قبیلے کے سردار نے کہا :

"بسر وچشم، میں اس پر عمل کروں گا!"

پھر وہ سردار اپنے قبیلے کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ صورتِ حال کافی خراب ہے اور قبیلے کے لوگ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اپنے لوگوں کے درمیان پہنچ کر اس نے پوچھا :

"کیا خبر ہے؟"

لوگوں نے بتایا :

" ہمارے اور دوسرے قبیلے کے درمیان لڑائی میں ایک قتل ہو گیا ہے ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے تاکہ ان سے جنگ کر سکیں ۔"

یہ سنتے ہی پہلے تو اس کی خاندانی اور نسلی تعصب اور جہالت نے اسے جذباتی بنا دیا اور وہ مسلح ہو کر اپنے قبیلے کی جانب سے لڑنے مرنے پر تل گیا لیکن جب وہ دوسرے قبیلے کے مقابل آیا تو اسے پیغمبر اکرمؐ کی نصیحت یاد آ گئی ۔ وہ سوچنے لگا کہ آنحضرتؐ نے مجھے غصہ نہ کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ چنانچہ فوراً ہی اس نے اپنا اسلحہ اتار پھینکا اور عام آدمیوں کا لباس پہن کر دشمن قبیلے کے سامنے آ گیا۔

انھوں نے دیکھا کہ ہمارے مدمقابل قبیلے کا سردار بڑی تواضع کے ساتھ آیا ہے اور اس کے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں ہے لہٰذا وہ اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں یہ کیا کہتا ہے !

قریب آ کر اس نے اپنے دشمن قبیلے کے سردار کو آواز دی اور بڑی نرمی سے کہا :

" یہ جنگ وجدل کس لیے ہے ؟ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمھارا جو آدمی قتل ہو گیا ہے اس کے بدلے کسی اور کو قتل کر دو تو اس سے قتل ہو جانے والا شخص دوبارہ زندہ تو نہیں ہو جائے گا ! لہٰذا آؤ اور ہم سے خوں بہا لے لو۔ اور اس کے علاوہ اور بھی جو کچھ تم چاہتے ہو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ اور اگر تم اس بات پر اصرار کرتے ہو کہ اپنا ایک آدمی قتل ہو جانے کے بدلے میں لازمی طور پر ہمارا ایک آدمی مار ڈالو گے تو میں اس کے لیے خود تیار ہوں ! میں اپنے آپ کو تمھارے حوالے کرتا ہوں، مجھے قتل ہو جانے والے شخص کے بدلے میں قتل کر دو تاکہ فتنہ وفساد ختم ہو جائے اور مسلسل خونریزی کا سلسلہ شروع نہ ہونے پائے ۔"

مدمقابل قبیلے نے آج جس صورت حال کا مشاہدہ کیا وہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ اسی وجہ سے ان کے اندر بھی انسانیت کا جذبہ بیدار ہوا اور انھوں نے کہا :

" ہم نہ تو قتل کے بدلے کسی کو قتل کریں گے اور نہ ہی خوں بہا وصول کریں گے ! "

اس طرح ایک بہت بڑے فتنہ وفساد اور خوں ریزی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور قبیلے کے سردار کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اکرمؐ نے آتے وقت اُسے جو نصیحت کی تھی کہ "تم غصہ مت کرو۔" اس میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ اسی غصہ نہ کرنے کی وجہ سے ہی تو خونریزی کا خاتمہ ہوا اور تمام تر فتنہ وفساد کا جڑ سے خاتمہ ہو گیا!
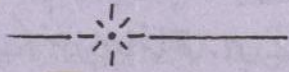
امام علیؑ رضا اور اجنبی

کتاب "محجۃ البیضاء" میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حالاتِ زندگی کے ذیل میں بیان ہوا ہے کہ آپؑ کو خراسان میں زبردستی ولی عہد بنایا گیا اسی زمانے میں ایک مرتبہ آپؑ حمام میں تشریف لے گئے۔ ایک اجنبی شخص وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اور وہ آپ کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس نے کہا:

"اے شخص! کیا تم کیسہ (بدن سے میل کچیل صاف کرنے کا کپڑا) سے میری پیٹھ گھس کر صاف کر دو گے؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"کیوں نہیں!"

اور پھر آپؑ اس شخص کی پشت پر کیسہ رگڑنے لگے۔ اسی اثنا میں حمام کا مالک قریب آگیا اور اس نے چاہا کہ کیسہ رگڑوانے والے شخص کو ملامت کرے لیکن امامؑ نے اسے اشارے سے منع فرما دیا کہ خاموش رہو اور اپنے آقا و مولاؑ کا تعارف نہ کراؤ!

حسد کرنے والا چیف جسٹس

حضرت امام محمد تقی جواد علیہ السلام کے زمانے میں رونما ہونے والا یہ واقعہ توجہ سے سُننے کے قابل ہے۔

اس زمانے میں متوکل عباسی کا چیف جسٹس ابو لیلیٰ خلافت کے تمام قانونی امور کو جو کہ اسلامی کہلاتے تھے انجام دیا کرتا تھا۔

ایک دن یہ چیف جسٹس جب اپنے دکاندار پڑوسی دوست زرقا کے گھر آیا تو خاصا پریشان تھا۔ زرقا نے پوچھا:

"چیف جسٹس صاحب! آج آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟"

چیف جسٹس نے کہا:

"کیا تم سُن سکو گے کہ آج خلیفہ کے دربار میں مجھ پر کتنی بڑی مصیبت ٹوٹی ہے؟!

ایک چور کو لایا گیا۔ اس کا جرم ثابت ہو چکا تھا اور اب حد جاری کرنے کا معاملہ تھا۔ مجھ سے خلیفہ نے پوچھا کہ اس کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے۔"

میں نے کہا:

قرآن مجید میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔

اور وضو کا حکم بیان کرنے والی آیت میں ہے کہ کہنیوں سے لے کر پورا ہاتھ دھونا چاہیے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کا ہاتھ کہنیوں سے کاٹا جائے گا۔"

خلیفہ نے دربار میں موجود دوسرے ججوں سے پوچھا تو انھوں کے کہا:

"چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے گا کیونکہ پروردگارِ عالم نے تیمم کا حکم بیان کرنے والی آیت میں ہاتھ سے مراد کلائی تک فرمایا ہے۔"

پھر خلیفہ نے شیعوں کے امام حضرت محمد تقی علیہ السلام سے پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:

"دوسرے اپنی رائے دے چکے ہیں۔"

خلیفہ نے اصرار کیا تو بالآخر مجبوراً حضرت محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

"چور کی انگلیاں کاٹی جائیں کیونکہ خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ "مساجد خدا کے لیے ہیں۔" مساجد، مسجد کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ اعضاء ہیں جو سجدے کی حالت میں زمین پر رکھے جاتے ہیں۔ یہ چور بھی جب نماز پڑھے گا تو اسے بھی سجدے کی حالت میں زمین پر ساتوں اعضاء رکھنے ہوں گے۔ یعنی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی رکھنی ہوں گی۔ لہٰذا صرف اس کی انگلیاں ہی کاٹی جائیں گی۔"

جب شیعوں کے امامؑ نے یہ بات کہی تو خلیفہ نے کہا:

"بہت خوب! شاباش!"

اور فوراً ہی یہ حکم دے دیا کہ امامؑ کے بتائے ہوئے فرمان پر عمل کیا جائے۔ اور پھر چور کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ دی گئیں۔

تو اے زرقا! تم خود اندازہ کرسکتے ہو کہ اس وقت میری کیا حالت ہوئی ہوگی جب اس پچیس سالہ جوان کو مجھ پر فوقیت دے دی گئی ہوگی!

ظاہر ہے کہ اسی وجہ سے میں سخت پریشان ہوں اور جب تک اپنا

انتقام نہیں لے لیتا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ جو شخص بھی اس نوجوان کے قتل میں شریک ہوگا وہ آتشِ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ لیکن پھر بھی جب تک وہ قتل نہ ہوجائے میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔

زرقا کہتے ہیں کہ میں نے اسے نصیحت کی لیکن اس نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔

درحقیقت ابویلیٰ چیف جسٹس حسد کی آگ میں جل رہا تھا۔ دوسرے ہی دن وہ خلیفہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

"جانتے ہو کل تم نے کیا کیا ہے؟!

وہ شخص جسے مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اپنا امامؑ سمجھتی ہے اور اسے پیغمبر اکرمؐ کا جانشین مانتی ہے اور تجھے باطل اور غلط گردانتی ہے، آپ نے بجائے اسے گرانے اور مٹانے کے مزید نمایاں اور مضبوط کردیا! وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اب یہ کہیں گے کہ دیکھا خود خلیفہ نے بھی اس بات کا اعتراف کرلیا اور دوسروں کے نظریات پر اس کے نظریے کو مقدم کردیا! ذرا سوچیے کہ یہ آپ نے کتنی بڑی سیاسی غلطی کی ہے!

مختصر یہ کہ ابویلیٰ نے خلیفہ کے اس قدر کان بھرے کہ وہ امام محمد تقی جواد علیہ السلام کے قتل پر آمادہ ہوگیا اور آخرکار امام علیہ السلام کو زہر دے دیا۔

خودکشی کی دُہری کوشش لیکن...

چند روز پہلے میں نے ایک میگزین میں پڑھا کہ نیویارک میں ایک شخص نے کئی منزلہ عمارت کی بنیاد رکھی۔ اس سلسلے میں اس نے لاکھوں ڈالر بینک سے قرض لیے۔ یہ تمام رقم سود کے ساتھ قسطوں میں واجب الادا تھی۔

عمارت کی تعمیر ابھی نامکمل تھی اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اسے مزید قرض بھی نہیں مل رہا تھا۔ چنانچہ وہ اتنی بڑی رقم کا مقروض ہو جانے کی وجہ سے سخت پریشان ہوگیا تھا۔ اس کی پریشانی روز بروز بڑھتی چلی گئی اور عمارت کی تعمیر ادھوری پڑی ہوئی تھی۔ اس نامکمل عمارت کو کوئی کرائے پر بھی نہیں لے سکتا تھا۔

بالآخر پریشانیوں سے تنگ آکر اُس نے خودکشی کا فیصلہ کرلیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو زیرِ تعمیر عمارت کی بالائی منزل سے نیچے گرادے۔ لیکن اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے میں نہ مروں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ زہر کھا کر چھلانگ لگاؤں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں خودکشی کے ان دونوں طریقوں میں سے ایک نہ ایک ضرور کارآمد ثابت ہوگا۔

اس نے زہر کھالیا اور عمارت کی بالائی منزل سے چھلانگ لگادی۔

لیکن ابھی زیرِ تعمیر عمارت میں بہت سی لکڑیاں چھت کو سنبھالنے کے لیے لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ وہ نیچے آتے ہوئے ایک لکڑی میں پھنس گیا اور اس کا سر کچھ اس طرح سے نیچے کی جانب جھکا اور پیٹ کچھ اس انداز سے دبا کہ جتنا زہر بھی اس نے کھا رکھا تھا وہ سب کا سب منہ سے باہر نکل گیا۔ اس طرح خودکشی کے دو اسباب میں سے کوئی بھی مؤثر ثابت نہیں ہوسکا۔

خداوند متعال اگر نہ چاہے تو خواہ کتنے ہی اسباب ہوں کوئی بھی مؤثر نہیں ہو سکتا!

ڈاکٹر کی دوا سے اُس کا بیٹا مر گیا

کم و بیش تیس۳۰ سال پہلے ایک ڈاکٹر کے بیٹے کو بخار آیا۔ اُس نے خیال کیا کہ بیٹے کو ملیریا ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس نے اسی کا علاج کیا حالانکہ اس کے بیٹے کو ٹائیفائیڈ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں چند ہی دنوں کے اندر ڈاکٹر کی دوا سے خود اس کا اپنا جوان بیٹا مر گیا۔

باپ سے زیادہ بڑھ کر اپنے بیٹے پر اور کون مہربان ہو سکتا ہے۔ یقیناً ڈاکٹر نے اپنے بیٹے کی بیماری کو سمجھنے کی پوری کوشش کی ہو گی اور ہر ممکن طور پر اپنے تئیں صحیح دوا بھی دی ہو گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی ڈاکٹر کی صحیح تشخیص اور دوا کا اثر سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے!

میرا ایک دیندار ڈاکٹر دوست ہوا کرتا تھا۔ وہ اب رحمتِ خدا سے ملحق ہو چکا ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا:

میں بعض اوقات سو فیصد یقین کے ساتھ دوا دیتا ہوں کہ اس کا اثر مریض پر ضرور ظاہر ہو گا لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوا سے کوئی خاص اثر ظاہر نہیں ہوا۔

اور اس کے مقابلے میں بعض دوائیں میں صرف اس اُمید

پر مریض کو دے دیتا ہوں کہ شاید اس سے کچھ اثر ظاہر ہو۔ اور اس کے بعد مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوا سو فی صد موثر ثابت ہوئی ہے!

لہٰذا معلوم ہوا ———

کہ دواؤں کا اثر بھی خدا ہی کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے!

حضرت جبرئیلؑ اور قیامت کا خوف

حضرت جبرئیل علیہ السلام انتہائی عظیم المرتبت فرشتے ہیں۔ یہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے تو ایک معمولی سے غلام کی مانند اجازت لے کر آیا کرتے تھے۔ ایک دن یہ عظیم الشان فرشتہ آنحضرتؐ کی خدمت میں موجود تھا کہ اچانک کانپنے لگا اور آنحضرتؐ کی پناہ میں آگیا۔ ابھی تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ حضرت اسرافیلؑ، رسول اللہؐ کے پاس آئے اور پیغام دے کر چلے گئے۔ حضرتِ اسرافیلؑ کے روانہ ہونے کے بعد حضرت جبرئیلؑ پرسکون ہوگئے۔

آنحضرتؐ نے جبرئیلؑ سے پوچھا:

"تمھیں کیا ہوگیا تھا اور کیوں کانپ رہے تھے؟"

جبرئیلؑ نے جواب دیا: "جب میں نے اسرافیلؑ کو آسمان سے زمین کی جانب آتے ہوئے دیکھا تو مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں قیامت تو نہیں آنے والی ہے کیونکہ بروز قیامت حضرت اسرافیلؑ بیت المقدس سے صور پھونکیں گے۔"

محمود غزنوی کے درباریوں کا امتحان

کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور مشہور ہے کہ محمود غزنوی جیسا ہندوستان کو فتح کرنے والا بادشاہ اپنے غلام ایاز کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تخت سے اُٹھ کر ایاز کو خود اپنی جگہ بٹھایا کرتا تھا اور کہتا تھا:

"تم حکم صادر کرو میں اسے جاری کروں گا!"

تمام درباری بادشاہ کے اس عمل پر اور ایسی ہی دوسری باتوں پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بادشاہ سلامت ایاز کو بلاوجہ اتنی اہمیت دیتے ہیں!

بادشاہ نے بھی اپنے درباریوں جواب دینے کے لیے اور ان کا امتحان لینے کی غرض سے یہ حکم دیا کہ کل سب کے سب میرے ساتھ جنگل میں شکار کرنے جائیں گے!

صبح کے وقت جب سب کے سب شکار پر نکلنے لگے تو بادشاہ نے ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا ایک تھیلا بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ جب سب لوگ جنگل میں پہنچ گئے تو بادشاہ نے وہ ہیرے جواہرات چاروں طرف پھینک دیے اور ساتھ ہی یہ اعلان کیا:

"جو شخص جتنے بھی ہیرے جواہرات اُٹھالے وہ اس کے ہوں گے۔"

جنگل میں قیمتی جواہرات بکھرے پڑے تھے اور بادشاہ کے تمام درباری انہیں ڈھونڈنے کے لیے بادشاہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن ایاز اپنے بادشاہ کے ساتھ ہی کھڑا رہا۔

سلطان محمود نے پوچھا:

"ایاز! تم کیوں نہیں گئے؟"

ایاز نے جواب دیا:

"میرے پاس بادشاہ سلامت موجود ہیں تو پھر میں ہیرے جواہرات لے کر کیا کروں گا؟"

پھر بادشاہ نے اپنے درباری ساتھیوں سے کہا:

"تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ ایاز کتنا مہذب اور باادب ہے۔ تم سب کے سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے لیکن یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔"

اس طرح محمود غزنوی نے اپنے درباریوں کو جواب دیا اور ساتھ ہی ان کا امتحان بھی لیا۔ اس واقعے کے بعد ایاز کا مرتبہ بادشاہ کی نگاہ میں پہلے سے ہزاروں گُنا بڑھ گیا۔

ایاز نے بادشاہ کا ادب کر کے جو سلیقہ سکھایا ہے تو اس بادشاہ کا ادب اور لحاظ کرنے سے کہیں زیادہ بلکہ تصور سے بڑھ کر ادب اور لحاظ کرنے کے حق دار تمام جہانوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں (امت کا یہ فرض ہے کہ اپنے ہر معاملے میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہیں اور کبھی بھی اُن سے جدا نہ ہوں)

محمود غزنوی اور سومنات کا بُت

لکھا ہے کہ جب سلطان محمود نے ہندوستان فتح کر لیا تو وہ جس شہر میں بھی داخل ہوتا تھا وہاں کے بُت خانوں کو تباہ و برباد کر دیتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ سومنات کے بُت کدے تک پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بُت بُتخانے کے اندر ہوا میں بغیر کسی سہارے کے معلق ہے۔ اس بُت کا شمار شہر کے سب سے بڑے بتوں میں ہوتا تھا۔

سلطان محمود سومنات کے اس بُت کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور عین ممکن تھا کہ بہت سے لوگ اس بُت کو معلق دیکھ کر بہک جائیں اور ان کے ذہنوں میں انتشار پیدا ہو۔ بالآخر سلطان محمود نے اپنے دانشوروں کو اس سلسلے میں تحقیق کرنے کا حکم دیا۔

دانشوروں نے بتایا:

"بُت پرستوں نے اس عمارت کے چاروں طرف مقناطیس لگا رکھے ہیں اور کیونکہ یہ بت لوہے کا ہے اور بالکل بیچوں بیچ رکھا گیا ہے لہٰذا چاروں طرف سے مقناطیسی قوت نے لوہے کے اس بُت کو کھینچ کر فضا میں معلق کیا ہوا ہے! اگر آپ ہماری اس بات کی تصدیق چاہتے ہیں تو بُت خانے کی ایک

سمت کو توڑنے کا حکم دیجیے خود بخود یہ حقیقت سامنے آجائے گی۔"

بادشاہ نے بُت خانے کی ایک سمت کو توڑنے کا حکم دیا۔ اور پھر اچانک بُت گر پڑا سپاہیوں نے چاہا کہ اس بُت کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیں۔ لیکن بڑے بڑے پجاری سامنے آکر کہنے لگے:

"ہم آپ کو اس لشکر کے اخراجات کے لیے بہت بڑی رقم دینے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ آپ اس بُت کو نہ توڑیں۔"

سلطان محمود کے بعض وزیروں نے اس امر سے اتفاق کرتے ہوئے مشورہ دیا:

"رقم لے لیجیے! بُت توڑنے سے کیا فائدہ! یہ لوگ دوبارہ بُت بنا لیں گے۔ رقم لے لیجیے، اس میں لشکرِ اسلام کا فائدہ ہے۔"

سلطان محمود نے اپنی خداداد صلاحیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑی عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا:

"نہیں، میں اس بُت کو ضرور توڑوں گا! کیونکہ اگر میں نے رقم لے لی اور بُت نہ توڑا تو لوگ کہیں گے: سلطان محمود بُت شکن نہیں بلکہ بُت فروش تھا۔"

مختصر یہ کہ اس نے سومنات کے اس بُت کو توڑنے کا حکم صادر کر دیا اور جب اس بُت کو توڑا گیا تو اس کے اندر ہیرے جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ اور جتنی رقم وہ پجاری اس بُت کو نہ توڑنے کے عوض دینا چاہتے تھے اس کے مقابلے میں یہ جواہرات کئی گُنا زیادہ تھے!

———☼———

مَوت کا خوف اور موٹاپا

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کو موٹاپے کا مرض لاحق ہو گیا اور وہ روز بروز موٹا ہی ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کا اُٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا اس کے پیروں کا وزن اتنا بڑھ چکا تھا کہ وہ انھیں ہلانے سے قاصر ہو گیا تھا۔ متعدد ڈاکٹروں نے اسے دوا دی لیکن یہ سب کچھ بے سود ثابت ہوا اور اس کی حالت مزید خراب ہوتی چلی گئی۔ پھر ایک دانشور نے آکر کہا:

"میں علمِ طب کے علاوہ علمِ نجوم بھی جانتا ہوں اور بادشاہ کا علاج کر سکتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ بادشاہ سلامت مجھے امان دیں۔"

درباریوں نے کہا:

"یقیناً بادشاہ کی طرف سے آپ کو امان دی جاتی ہے!"

پھر اس دانشور نے کہا:

"میں پہلے علمِ نجوم کی طرف رجوع کروں گا اور اس کے بعد علاج شروع کروں گا۔"

درباریوں نے کہا:

"بہت خوب! یہ بھی منظور ہے۔"

پھر وہ دانشور چلا گیا اور دوسرے دن صبح سویرے پریشانی کی حالت میں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔

بادشاہ نے کہا:

"میرا علاج کرو!"

اس نے جواب دیا:

"میں نہیں کر سکتا!"

بادشاہ نے پوچھا:

"آخر کیوں ــــــــ؟!"

اس دانشور نے جواب دیا:

"میں ڈرتا ہوں ــــــ!"

بادشاہ نے کہا:

"ڈرو نہیں ــــــ!"

پھر آخرکار اس دانشور نے کہا:

"میں نے آپ کے طالع کو دیکھا اور اسی وجہ سے مجھے شدید خوف محسوس ہوا۔ چنانچہ میں پریشان ہوں۔ کیونکہ طالع دیکھ کر مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ آپ چالیس دن کے اندر اندر مر جائیں گے۔ اور ظاہر ہے ایسی صورت میں میرا علاج بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں آرہا ہے تو مجھے قید کر دیجیے اور اگر آپ چالیس دن کے اندر اندر موت کا شکار نہ ہوئے تو مجھے قتل کر دیجیے گا!"

آخرکار اس دانشور کو قید خانے میں ڈال دیا گیا اور بادشاہ روز بروز خوف سے کمزور ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ تیسویں دن اس نے طبیب کو

قید خانے سے بلوا کر کہا:

"اب بہر حال چند دنوں کے اندر اندر مرے بغیر چارہ نہیں ہے!"

بادشاہ سے یہ سننے کے بعد دانشور طبیب نے حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا:

"میں نے صرف اسی لیے یہ کہا تھا کہ تم چالیس دن کے اندر اندر مر جاؤ گے تاکہ تم پر خوف اور غصہ طاری ہو اور خوف کی وجہ سے تم کمزور اور دبلے پتلے ہو جاؤ۔ اس طرح تمھارے موٹاپے کا علاج ہو جائے اور دیکھو اب تم بالکل ٹھیک ہو چکے ہو!"

ــــــــ ☼ ــــــــ

مجھے سخی مت کہو

حاتم طائی کے بعد جسے سخاوت میں شہرت حاصل ہوئی وہ عباسی دور کا معن بن زائدہ نامی شخص ہے۔ اس کی سخاوت کے سلسلے میں مشہور ہے کہ کسی شاعر نے اس کی شان میں ایک شعر کہا۔ وہ شاعر روزانہ اس کے پاس آیا کرتا تھا اور معن اسے سو دینار دے دیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ خود شاعر کو شرم محسوس ہوئی اور اس نے آنا بند کر دیا۔ معن کا کہنا تھا کہ اگر وہ میرے پاس اسی طرح آتا رہتا تو میں اسے روزانہ اس وقت تک سو دینار دیتا رہتا جب تک کہ میرا خزانہ خالی نہیں ہو جاتا۔

شیخ عباس قمی مرحوم کتاب "الکنی والالقاب" میں معن کے بارے میں لکھتے ہیں:

جب بنو امیہ کے ہاتھ سے حکومت نکل کر بنو عباس کی جانب منتقل ہو گئی تو منصور دوانیقی نے یہ حکم صادر کیا کہ جس شخص نے بھی بنی امیہ کی حکومت سے جو کچھ انعام و اکرام حاصل کیا ہے اسے واپس لے لیا جائے۔ اس حکم نامے کی رُو سے معن کو بھی گرفتار کیا جانا تھا۔ چنانچہ وہ اس سے بچنے کے لیے فرار ہو گیا۔ اپنی روداد معن نے خود یوں بیان کی ہے:

میری یہ حالت ہو چکی تھی کہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے اور گرمی میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے باعث میری رنگت تبدیل ہو چکی تھی اور میں ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ بن گیا تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ کسی طرح صحرا میں نکل جاؤں اور وہاں کے عرب قبائل سے جا ملوں۔

میں نے اپنا تمام نقدی مال و دولت اور قیمتی جواہرات باندھ کر جیب میں رکھا اور اونٹ پر سوار ہوا اور اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر روانہ ہو گیا تاکہ مجھے کوئی پہچان نہ سکے۔ ہر طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور میں شہر سے باہر نکلا۔ ابھی میں شہر کے دروازے سے کچھ ہی دُور چلا تھا کہ ایک عرب دیہاتی ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے میرے قریب آیا اور اس نے میرے اونٹ کو پکڑ کر قابو کر لیا اور مجھ سے بولا:

"تم معن ابنِ زائدہ ہو؟"

میں نے کہا:

"میں معن نہیں ہوں!"

وہ بولا:

"تم ہی معن ہو! میں گھر سے تمہارا پیچھا کر رہا ہوں!"

اس نے مزید بتایا:

"میں منصور دوانیقی کے جاسوسوں میں سے ہوں!"

معن کہتا ہے کہ پھر میں نے اس کی بہت منت سماجت کی کہ وہ مجھے منصور کے پاس نہ لے جائے اس سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور ساتھ ہی میں نے اسے یہ بھی کہا کہ اے شخص میں تجھے پہچانتا تو نہیں ہوں لیکن مجھے اتنا معلوم ہے کہ تو مجھے مال و دولت حاصل کرنے کی غرض سے منصور کے

پاس لے جانا چاہتا ہے!"

اس نے کہا:

"ہاں ——!"

میں نے کہا:

"خلیفہ تمھیں کتنی رقم دے سکتا ہے، وہ دس ہزار درہم سے زیادہ تو نہیں دے گا؟"

اس نے کہا:

"میں بہر حال تجھے لے جاؤں گا۔"

معن نے کہا:

"یہ تمام مال و دولت اور قیمتی جواہرات لے لو اور مجھے نہ لے جاؤ۔"

اس نے کہا:

"ٹھیک ہے مجھے منصور دس ہزار درہم بھی نہیں دے گا لیکن پھر بھی میں تجھے اس کے پاس لے جاؤں گا۔"

یہ سن کر معن نے اس سے بہت التجا کی اور قسمیں دیں۔ اس عرب دیہاتی نے کہا:

"میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں اگر تم نے اس کا جواب دے دیا تو میں تمھیں چھوڑ دوں گا۔"

معن نے کہا:

"بہت اچھا!"

اس نے کہا:

"معن! تم اپنی زندگی میں ایک عرصے تک سخی مشہور رہے ہو

بتاؤ کیا تم نے اپنی زندگی میں کبھی سارے کا سارا مال راہِ خدا میں دیا ہے؟"

معن نے جواب دیا:

"نہیں ——!"

اس نے پوچھا:

"کبھی آدھا مال صرف کیا ہے؟"

معن نے جواب دیا:

"نہیں ——!"

اس نے پوچھا:

"اپنے کل مال کا تیسرا حصہ خرچ کیا ہے؟"

معن نے کہا:

"نہیں ——!"

اس نے پوچھا:

"اپنے مال کا چوتھائی حصہ؟"

معن نے کہا:

"نہیں ——!

یہاں تک کہ دسویں حصے کے بارے میں جب اس نے سوال کیا تو معن نے شرمندہ ہوتے ہوئے جواب دیا:

"شاید میں نے اپنے کل مال کا دسواں حصہ راہِ خدا میں دیا ہو!"

اس نے کہا:

"بہت خوب! دھیان سے سنو! میری کل تنخواہ تیس ۳۰ درہم ہے اور فرض کرو اگر میں تمھیں پکڑ کر لے جاتا ہوں تو مجھے سو درہم مل جائیں گے لیکن

ہیں تمھیں بتا رہا ہوں کہ میں نے آج رات کا کھانا نہیں کھایا ہے لیکن پھر بھی تمھیں تمھارے مال و دولت اور قیمتی جواہرات کے ساتھ چھوڑ رہا ہوں! اب یہ بتاؤ کہ تم زیادہ سخی ہو یا میں ؟"

معن کہتا ہے: جب اس نے یہ بات مجھ سے کہی تو دنیا میری نظر میں اندھیر ہوگئی اور میں نے اس عرب دیہاتی سے کہا:

"یہ سب رقم لے لو اور مجھے شرمندہ نہ کرو"

اس نے بڑا عجیب جواب دیا جو سننے سے تعلق رکھتا ہے:

"میں نیکی کا کام کر کے اس کے بدلے کوئی اُجرت نہیں لیتا!"

اس واقعے کے بعد معن کو جب بھی کوئی سخی کہہ کر پکارتا تو اسے شرمندگی ہوتی تھی اور وہ اس بات کے لیے تیار نہیں تھا کہ کوئی اسے سخی کہہ کر پکارے۔

———— ✳ ————

○

حذیفہ یمانی اور نماز کی امامت

مرحوم نراقی حضرت علی علیہ السلام کے صحابی حذیفہ یمانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عظیم الشان مرد مومن تھے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے اُن سے گزارش کی کہ وہ نماز کی امامت فرمائیں۔ بالآخر انھوں نے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور لوگوں نے ان کی اقتدا کی۔ لیکن ایک نماز پڑھنے کے بعد انھوں نے لوگوں سے کہا:

"یا آپ لوگ کسی اور کی اقتدا کرتے ہوئے نماز جماعت پڑھیں یا پھر اپنی اپنی فرادیٰ نماز پڑھ لیں۔"

لوگوں نے پوچھا:

"کیوں ____؟"

حذیفہ یمانی نے فرمایا:

"کیونکہ نماز کے دوران میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں تم سے بہتر ہوں!"

———— ✳ ————

توبہ کرنے والے سے بیزاری

مرحوم علامہ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک فاسق و فاجر شخص تھا۔ جو بہت زیادہ گناہ کرنے کی وجہ سے خلیع کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

یہ گناہ گار شخص ایک مرتبہ کسی عابد کے پاس پہنچا تا کہ خداوندِ عالم اس عابد و زاہد شخص کے طفیل اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔

عابد بے چارہ صرف ایک عابد ہی تھا اور اپنے نماز روزے اور دیگر دعاؤں اور اعمال سے سروکار رکھتا تھا۔ وہ عالم نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے توبہ کرنے والے گنہگار شخص سے بیزاری کا اظہار کیا۔ عابد، گنہگار کو اپنے قریب نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ عابد عبادتوں کے ذریعے اس مقام تک پہنچ چکا تھا کہ جب بھی وہ دھوپ میں باہر نکلتا تھا ابر کا ایک ٹکڑا اس کے سر پر سایہ فگن ہوا کرتا تھا۔

لیکن یہ توبہ کرنے والے اس گنہگار شخص سے اظہارِ بیزاری اور کراہت محسوس کرنے کا نتیجہ ہی تھا کہ جب وہ گنہگار، عابد کے پاس سے اٹھ کر دل شکستہ اور رنجیدہ ہو کر جانے لگا تو ابر کا وہ ٹکڑا جو عابد کے سر پر ہوا کرتا تھا اب اس گنہگار کے سر پر آگیا۔ یہ دیکھ کر عابد حیران رہ گیا۔ اور نہ سمجھ سکا کہ آخر

کیا معاملہ ہے!

پھر اس زمانے کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ عابد شخص نے کیونکہ گناہ گار سے بیزاری محسوس کی ہے اور اسے ذلیل سمجھا ہے لہٰذا وہ پروردگارِ عالم کی نظرِ رحمت سے دُور ہو کر رہ گیا ہے!

حضرت موسیٰؑ
خود کو کسی سے بہتر نہیں سمجھتے

کتاب "انوارِ نعمانیہ" میں سید جزائری مرحوم نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ یہ حدیث تنگ نظر اور خود کو دوسروں سے بڑا سمجھنے والوں کے لیے خاص اہمیت کی حامل ہے۔ حدیث ملاحظہ کیجیے :

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام کو ندا دی گئی :

"اے موسیٰؑ! جب تم مناجات کے لیے آنا چاہو تو اپنے ساتھ کسی ایسے شخص کو لے آؤ جس سے تم خود کو بہتر سمجھتے ہو!"

دوسرے دن حضرتِ موسیٰؑ نے چاہا کہ اس پر عمل کریں۔ انھوں نے دیکھا کہ ابتدائی خلقت کے اعتبار سے تمام کے تمام موجودات بالکل ان ہی کی طرح مخلوق ہیں۔ اور سب کو خداوندِ متعال کی جانب سے رزق دیا جاتا ہے۔ تمام موجوداتِ عالم پہلے معدوم تھے اور پھر بعد میں عالمِ وجود میں آئے۔ لہٰذا اس اعتبار سے سب کے سب یکساں ہیں۔ سب کے سب خالقِ کائنات کے محتاج ہیں۔ یعنی جب اس نے وجود بخشا تو وہ اس دنیا میں آئے۔ لہٰذا اس اعتبار سے مومن اور کافر کے درمیان کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ یہ سوچنے لگے

کہ بھلا میں کس کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس سے بہتر ہوں۔

دوسرے جاندار بھی ابتدا میں ایک آلودہ نطفہ تھے اور میں بھی! اگر میں یہ کہوں کہ دوسرے جانداروں سے بہتر ہوں تو کیا میرا وجود ایک نطفے کا نتیجہ نہیں ہے ؟! اور مرنے کے بعد کوئی بادشاہ ہو یا فقیر دونوں ہی خاک میں مل جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے بہت کوشش کی اور ہر طرف اچھی طرح جائزہ لیا لیکن خلقت کے اعتبار سے خود کو دوسروں سے بہتر نہیں پا سکے۔ چنانچہ یہ سوچ کر حضرت موسیٰؑ تنِ تنہا مناجات کے لیے پہنچ گئے۔

غیبی آواز آئی :

"اے موسیٰؑ! کیا تم سے یہ طے نہیں ہوا تھا کہ اپنے ساتھ کسی ایسے کو لے کر آؤ گے جس سے تم خود کو بہتر سمجھتے ہو گے ؟"

حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا :

"مجھ کو کوئی ایسا نہیں مل سکا۔"

غیبی آواز آئی :

"اگر تم کسی کو اپنے ساتھ لے آتے تو عہدۂ نبوّت سے معزول ہو جاتے کیونکہ نبی جاہل نہیں ہو سکتا ہے!"

شفاعتِ حضرت ابوالفضلؑ

حاجی نوری مرحوم نجفِ اشرف کے ایک عالمِ دین کی زبانی یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ نجف کے وہ عالمِ دین کہتے ہیں:

میرے ماں باپ اصفہان میں رہا کرتے تھے اور وہاں سے خط وکتابت کا سلسلہ رہتا تھا۔ لیکن ایک عرصے تک وہاں سے کوئی خط نہیں آیا۔ اسی دوران ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میری ماں کا جنازہ لایا گیا ہے اور ان کی ناک ٹوٹ گئی ہے جس کی وجہ سے خون بہہ رہا ہے! اور انھیں مارا پیٹا جا رہا ہے۔ میں آگے بڑھ کر کہنے لگا:

"آخر انھوں نے کیا کیا ہے؟"

مجھے بتایا گیا کہ وہ نماز کو معمولی سمجھتی تھیں اور ماہ رمضان میں روزے نہیں رکھتی تھیں لہٰذا ہم ان پر عذاب کے لیے مامور ہیں!

یہ خواب دیکھ کر وحشت سے میں بیدار ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اطلاع ملی کہ تمھاری ماں کے جنازے کو کربلا لائے ہیں۔ لہٰذا ان پر نماز پڑھنے اور دفن کرنے کے لیے چلو۔

میں گیا اور جب میں نے تابوت سے نکال کر اپنی ماں کو دیکھا تو کفن

خون سے سُرخ تھا۔ شاید ان کے سر میں چوٹ لگی تھی جس کی وجہ سے ان کا بھیجا متاثر ہو گیا تھا۔ اس سلسلے میں میں نے جنازہ لانے والوں سے استفسار کیا تو انھوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا:

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم لوگ چند جنازے لے کر آرہے تھے اور جب فلاں مقام پر ٹھہرنے کے لیے رُکے اور تابوتوں کو اتار کر زمین پر رکھا تو سواری کے خچر آپس میں الجھ پڑے اور وہ ان تابوتوں سے ٹکرا گئے، چنانچہ تمھاری ماں کا تابوت الٹ گیا اور یہی وجہ ہے کہ ان کا سر اور بھیجا زخمی ہو چکا ہے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر مجھے اپنا خواب یاد آ گیا اور میں نے جان لیا کہ یہی میرے خواب کی تعبیر ہے۔ لہٰذا خواب کا باقی حصہ بھی صحیح ہو گا اور میری ماں اب عالمِ برزخ میں عذاب کا شکار ہو گی۔ مجھے اپنی ماں کے عذابِ قبر کا خیال آنے لگا۔ چنانچہ میں حضرت ابوالفضل العباسؑ کے حرم میں آیا اور ان کے وسیلے سے شفاعت طلب کی۔

میں نے دل کی گہرائی سے مولا ابوالفضل العباسؑ کو شفاعت کے لیے پکارا اور یہ عہد کیا کہ میں اپنی ماں کی قضا نمازوں اور روزوں کے سلسلے میں کسی کو نائب بناؤں گا۔

میں نے ایک دو ماہ کی نماز اور روزوں کے لیے ایک نائب بنا دیا لیکن اس کے بعد بھول گیا۔ چنانچہ دو ماہ بعد میں نے خواب میں وہی منظر دیکھا جو پہلے دیکھ چکا تھا۔ عالمِ خواب میں میں نے کہا:

"کیا قمرِ بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباسؑ نے شفاعت نہیں کی ہے؟"

مجھے بتایا گیا:

"(انھوں نے شفاعت کی ہے) لیکن تم اپنے کیے ہوئے عہد کو پُورا نہیں کر رہے ہو!"

جب یہ خواب دیکھ کر میں بیدار ہوا تو میں نے اپنی ماں کی نمازوں اور روزوں کے سلسلے میں اچھی طرح اہتمام کیا اور ان کی قضا نمازوں اور روزوں کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

شفاعتِ فاطمہ زہراؑ

ایک عالم فاضل ملّا جعفر نامی شخص کا جب وقتِ آخر آیا تو وہ گریہ وزاری کرنے لگے۔ لوگوں نے انھیں رقم فراہم کی تاکہ مرنے کے بعد ان کی نیابت میں حج کیا جاسکے۔ کچھ ہی دیر بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

مرنے کے بعد ایک شخص نے خواب دیکھا کہ ان کے منہ میں آگ کی لگام دے کر لٹکایا گیا ہے۔ ڈر کے مارے وہ جاگ اٹھا۔ خود اس شخص کا بیان ہے:

یہ خواب دیکھ کر جب میری آنکھ کھلی تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے مرقدِ مطہر سے اذان آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں فوراً ہی روضۂ حسینؑ پر پہنچا۔ فجر کا وقت تھا اور میں نے ضریح مبارک تک پہنچ کر ملّا جعفر کے لیے دعا کی اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے وسیلے سے ان کی عذاب سے نجات کا طالب ہوا۔

اس واقعے کو بیس سال گزر گئے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب میں حج کی سعادت حاصل کر کے مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے روضے کی زیارت سے مشرف ہوگیا تو ان ہی دنوں میں میں شدید بیمار پڑ گیا اور مجھ پر جاں کنی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ لوگ مجھے تابوت میں ڈال روضۂ رسولؐ

کی زیارت کے لیے لے گئے اور روضے کے گرد مجھے طواف کرانے لگے۔ اسی اثنا میں
میں نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے وسیلے سے اپنے لیے دعا کی اور پھر مجھے
ملا جعفر یاد آگئے۔ میں نے کہا:

"بیس۲۰ سال پہلے میں نے آپؑ کے فرزند حضرت امام حسین علیہ السلام
کے وسیلے سے شیخ ملا جعفر کے لیے عذاب سے رہائی طلب کی تھی۔ انھیں رہائی
ملی یا نہیں؟"

شفاعتِ فاطمہ زہراؑ کا ابتدائی اثر یہ ہوا کہ مجھے اسی تابوت میں
بیماری سے چھٹکارا مل گیا اور میں نے تابوت سے نکل کر روضۂ رسول اللہؐ کی
ضریح مبارک کو تھام لیا۔ پھر اس واقعے کے بعد میں نے ملا جعفر کو خواب
میں دیکھا۔ انھوں نے مجھے بتایا:

"بیس۲۰ سال تک میں عذاب کا شکار تھا۔ لیکن گزشتہ رات شفاعتِ
فاطمہ زہراؑ مجھے نصیب ہوئی اور اب میں راحت و آرام سے ہوں۔ دیکھو یہ عمامہ
حضرت زہراؑ نے مجھے عطا فرمایا ہے اور یہ عبا حضرت رسول خداؐ نے عنایت
فرمائی ہے۔"

———※———

ولدِ صالح اور والدِ مرحوم

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قبرستان سے گزر رہے
تھے۔ ایک قبر کے قریب پہنچے تو اصحاب سے فرمایا:

"یہاں سے جلدی چلو کیونکہ اس قبر کے مُردے پر عذاب ہو رہا ہے۔"

دوسرے دن جب اسی جگہ سے آنحضرتؐ کا گزر ہوا تو آپؐ نے
اصحاب سے فرمایا:

"ٹھہرو ——!"

اصحاب نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا کہ اس صاحبِ قبر کے
بیٹے نے کیونکہ ایک راستے کی صفائی کی ہے اور ایک یتیم بچے کی سرپرستی کرنا
شروع کر دی ہے لہٰذا خداوندِ غفور و رحیم نے اس عمل کی وجہ سے اس کے والد
گناہوں کو معاف کر دیا ہے اور عذابِ قبر سے نجات عطا فرما دی ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر حدیث میں ملتا ہے کہ ایک بچے نے مدرسے جا
کہا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔" اور خداوندِ عالم نے اس کے والدِ مرحوم کے گنا
بخش دیے!

———※———

شیر خوار بچہ اور چور

سید نعمت اللہ جزائری کتاب "انوار نعمانیہ" میں یہ واقعہ لکھتے ہیں:

ایک رات چند چور کسی کے گھر میں گھس گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ گھر کا سارا مال اٹھا کر لے جائیں۔ لیکن جب کمرے میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ میاں بیوی اور ایک شیر خوار بچہ سب کے سب سو رہے ہیں۔

چور آپس میں کہنے لگے:

"ہو سکتا ہے یہ بچہ جاگ جائے اور ماں باپ اس کے رونے کی آواز سُن کر اٹھ جائیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس بچے کے جھولے کو اٹھا کر باہر رکھ دیا جائے!"

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور بچے کا جھولا اٹھا کر گلی میں رکھ دیا پھر وہ گھر کا ساز و سامان اٹھا اٹھا کر باہر رکھنے لگے۔ جب سارا سامان گھر کے باہر رکھ چکے تو اس خیال سے کہ شاید کوئی چیز رہ گئی ہو۔ گھر میں آکر دوبارہ اچھی طرح سے جائزہ لینے لگے۔

عین اسی وقت بیوی کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ بچے کا جھولا نہیں ہے۔ فوراً ہی اپنے شوہر کو جگایا اور دونوں گھبرائے ہوئے کمرے

سے باہر نکلے۔ انھوں نے دیکھا کہ صحن کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تمام چور اس وقت کمرے میں چھپے ہوئے تھے۔

دونوں میاں بیوی کمرے سے باہر نکلے۔ انھوں نے دیکھا کہ گھر کا سارا سامان اور بچے کا جھولا گلی میں موجود ہے۔ جیسے ہی یہ دونوں اپنے کمرے سے نکل کر گلی میں پہنچے پورا گھر دھڑام سے گر گیا اور تمام چور اس کے ملبے میں دب کر رہ گئے!

یہ دونوں حیران تھے اور انھیں کچھ بھی معلوم نہیں کہ سارا سامان کون باہر لے کر آیا ہے۔ صبح کو جب مزدوروں نے آکر ملبہ ہٹایا تو اس میں سے چوروں کی لاشیں برآمد ہوئیں۔

———— ☼ ————

حکومت کی کُل قیمت

ایک دن ابنِ سماک، ہارون رشید کے دربار میں پہنچا۔ ہارون نے کہا:

"مجھے کوئی نصیحت کرو!"

ابنِ سماک نے کہا:

"ہارون! اگر کبھی تمھارا گلا بند ہو جائے اور تم کچھ نہ پی سکو تو کیا کرو گے؟"

ہارون نے جواب دیا:

"میں اس بلا کو دُور کرنے کے لیے اپنی پوری حکومت کا آدھا حصّہ دے دوں گا!"

ابنِ سماک نے پوچھا:

"اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تمھیں ایسی بیماری ہو جائے جس کے باعث تم پیشاب نہ کر سکو تو اس سے بچنے کے لیے کیا کرو گے؟"

ہارون نے جواب دیا:

"میں اس بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنی حکومت

کا نصف حصّہ دے دوں گا!"

اب ابنِ سماک نے نصیحت کرتے ہوئے کہا:

"اے ہارون! اس سے معلوم ہوا کہ تمھاری حکومت کی کل قیمت ایک پانی کے قطرے کا اوپر سے نیچے جانے اور اس کے باہر نکلنے سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے!!"

مال دار گھرانے کی تباہی

کتاب دار السلام میں ایک حدیث نقل ہوئی ہے جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

بنی اسرائیل میں ایک مال دار گھرانہ ہوا کرتا تھا۔ ایک دن ان لوگوں نے اپنے گھر دعوت کا اہتمام کیا اور کچھ باحیثیت لوگوں کو کھانے پر بلایا۔ کھانے کی خوشبو پاکر دو حاجت مند فقیر دروازہ کھلا دیکھ کر گھر میں آگئے لیکن اس مال دار گھرانے کے لوگوں نے ان دونوں کے سینوں پر ہاتھ مارا اور دھکا دے کر باہر نکال دیا۔

اس نازیبا حرکت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آسمان سے بجلی گرادی جس سے سب کے سب گھر والے ہلاک ہوگئے!

امام حسینؑ نے سائل کا امتحان لیا

دیہات سے تعلق رکھنے والا ایک عرب جب مدینے پہنچا تو اس نے پوچھا:

"یہاں سب سے زیادہ سخی کون ہے؟"

لوگوں نے بتایا:

"حسینؑ ابن علیؑ!"

وہ شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آکر کہنے لگا:

"مجھ پر ایک شخص کے قتل کردینے کی مکمل دیت (یعنی ایک ہزار دینار جو کہ ہزار مثقال سونے کے برابر ہوتا ہے) واجب ہے۔ اب میں آپؑ کی پناہ حاصل کرنا چاہتا ہوں تاکہ دیت کی یہ رقم آپؑ ادا فرمادیں۔"

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"میں تم سے تین سوال پوچھوں گا اگر تم نے تینوں کا درست جواب دیا تو تمہارا پورا قرض (دیت) ادا کردوں گا۔ اگر تم نے دو سوالوں کے صحیح جوابات دیے تو کل رقم کا دو تہائی حصہ ادا کروں گا اور اگر ایک سوال کا

صحیح جواب دیا تو تمھارے کل قرض کا ایک تہائی حصّہ ادا کر دوں گا۔"

اس عرب دیہاتی نے کہا:

"مولاؑ! آپ ایسا عقل مند مجھ ایسے نادان دیہاتی سے سوال پوچھے گا تو بھلا میں کیسے جواب دے سکوں گا!"

امام علیہ السّلام نے فرمایا:

"بہر حال تمھارے علم و معرفت کے اعتبار سے بخشش کی جائے گی۔"

پھر امام علیہ السّلام نے دریافت فرمایا:

"بتاؤ تمام مشکلات سے نجات حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"خدا پر بھروسہ کرنا۔"

امام علیہ السّلام نے اس کی تصدیق فرمائی اور یہ جواب دینے پر اس کی تعریف کی۔ پھر امام علیہ السّلام نے دریافت فرمایا:

"انسان کے لیے کون سی چیز باعثِ زینت ہے؟"

اس نے عرض کیا:

"وہ علم جس کے ساتھ حلم اور بُردباری ہو!"

امام علیہ السّلام نے اس سے پوچھا:

"اگر علم کے ساتھ حلم اور بردباری نہ ہو تو؟"

اس نے جواب دیا:

"تو مال و دولت کے ساتھ جود و سخا ہونا چاہیے!"

امامؑ نے فرمایا:

"اگر یہ بھی نہ ہو تو؟"

اس نے عرض کیا:

"تو فقر و فاقہ کے ساتھ صبر و استقامت ہونا چاہیے!"

(اسی بات کو سمجھانے کے لیے میں نے یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ شخص کتنا خوش قسمت ہے جو اس نعمت سے مالا مال ہے۔)

امام علیہ السّلام نے ایک مرتبہ مزید دریافت فرمایا:

"اگر ایسا بھی نہ ہو تو (کون سی چیز انسان کے لیے باعثِ زینت ہو سکتی ہے)؟"

اس شخص نے جواب دیا:

"پھر تو آسمان سے اس پر بجلی گرنی چاہیے تاکہ اسے جلا کر راکھ کر دے۔"

حضرت امام حسین علیہ السّلام نے فرمایا:

"تم نے صحیح جواب دیا ہے۔"

پھر آپؑ نے حکم دیا کہ ہزار مثقال سونا اسے دے دیا جائے اور چونکہ دیہات سے تعلق رکھنے والا یہ شخص بڑا باصلاحیت تھا۔ لہٰذا آپؑ نے ایک انگوٹھی بھی اسے عطا فرمائی جس کی مالیت دو سو درہم تھی۔

موت کے وقت باطل خیالات

سید جزائری علیہ الرحمۃ کتاب "انوارِ نعمانیہ" میں لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ عالم نے مجھے بتایا:

جب ایک مال دار شخص کا وقتِ آخر آیا اور اس کی جان نکلنے لگی تو میں اسے دعائے عدیلہ پڑھانے میں مشغول ہوا۔ ضمناً میں نے اس سے یہ پوچھا کہ تم اپنی میراث کا تیسرا حصّہ کس کام میں صرف کرو گے؟

اس طرح میں اس سلسلے میں اسے تجویز پیش کرنا چاہتا تھا!

اور ساتھ ہی میں نے اس مال دار شخص سے یہ بھی پوچھا:

"تمھارا فلاں دوست جسے ایک لاکھ تومان تمھیں ادا کرنا ہیں اور وہ فلاں جگہ رہتا ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

میرے ان سوالات کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی میراث کے تیسرے حصّے کو کس کام میں صرف کرنا چاہتا ہے۔

اس نے وقتِ آخر دبی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ کہا:

"میں نے یہ رقم آڑے وقت کے لیے جمع کر رکھی ہے۔ میں بال بچے دار ہوں اور خود بھی بوڑھا ہو چکا ہوں .....!"

ابھی اس نے اپنے ان ہی دنیاوی اور باطل خیالات کا اظہار کیا تھا کہ اس کی سانس رک گئی اور وہ مر گیا۔

ساری زندگی اس نے اسی مال دولت کو جمع کرنے میں صرف کی تھی اور ہمیشہ اسی خیال میں رہتا تھا!

لہٰذا مرتے وقت بھی وہ اس خیال سے دور نہ رہ سکا!

ایک تسبیح

حضرت سُلیمانؑ کی حکومت سے بہتر ہے

ایک مرتبہ جب حضرت سلیمانؑ ابنِ داوٗد علیہ السلام تختِ شاہی پر بیٹھے ہوئے محوِ پرواز تھے تو ان کے کانوں میں کسی دیہاتی کے تسبیح کرنے کی آواز آئی ——!

حضرت سلیمانؑ کا تخت تین میل چوڑا اور تین میل لمبا تھا اور تخت پر بچھے ہوئے فرش پر جنوں نے سونے سے کشیدہ کاری کی تھی۔ اس تخت پر چھ ہزار کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور حضرت سلیمان اس کے بیچوں بیچ شان سے تشریف فرما تھے۔

ان کے قریب پہلی صف میں علماء، دوسری میں وزراء اور تیسری میں لشکر کے سردار اور اس کے بعد دوسرے صف در صف موجود تھے۔ اس کے بعد جنات تھے اور سر پر پرندوں نے سایہ کر رکھا تھا۔

ہوا اس تخت کو جہاں کہیں بھی حضرت سلیمانؑ جانا چاہتے تھے اُڑا کرلے جایا کرتی تھی!

ایسے ہی ایک سفر میں جب اس دیہاتی کسان کی آواز حضرت سلیمانؑ کی توجہ کا مرکز بن گئی جو کہہ رہا تھا:

"سبحان اللہ! کیا شان ہے اس خداوندِ ذوالجلال کی جس نے آلِ داوٗدؑ کو ایسی شاندار حکومت عطا کی ہے!"

حضرت سلیمانؑ نے یہ آواز سُن کر حکم دیا کہ تختِ شاہی کو نیچے اتارا جائے اور اس دیہاتی کو میرے پاس لایا جائے۔

جب وہ دیہاتی حاضر ہوا تو حضرت سلیمانؑ نے اس سے کہا:

"میری یہ حکومت عظیم اور شاندار نہیں ہے بلکہ جب کوئی مومن خدا کی ایک تسبیح کرتا ہے اور وہ اس کی بارگاہ میں قبولیت کا شرف حاصل کر لیتی ہے تو یہ تسبیحِ الٰہی میری اس حکومت سے بہتر ہے!"

اندھے کی بیوی کے نخرے

ایک عورت کی عمر بہت زیادہ ہو چکی تھی۔ انتہائی بدصورت اور بے ہنگم شکل کی وجہ سے اس کا رشتہ کہیں نہیں ہو رہا تھا۔ خدوخال کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کی الٹی آنکھ اور چہرے پر بڑا سا گوشت اُبھرا ہوا تھا۔ لہٰذا اس بے چاری کو پہلی ہی نظر میں لوگ دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔

رشتہ داروں نے کافی بھاگ دوڑ کر کے کہیں سے ایک اندھے شخص کو تلاش کیا تاکہ اس کی بدصورتی پر پردہ پڑا رہ جائے۔ اس عورت کے رشتہ داروں نے اندھے شخص سے کہا:

"ایک بہت خوب صورت اور مال دار لڑکی ہے۔ اگر تم چاہو تو ہم تمہارا رشتہ اس کے پاس بھیجیں!"

اور اس طرح بالآخر یہ شادی ہو گئی۔

شادی کے بعد یہ عورت اپنے اندھے شوہر کے آگے ناز نخرے کرنے لگی اور احسان جتاتے ہوئے اس سے بولی:

"میرے بہت سے رشتے آئے لیکن میں نے کہیں شادی نہیں کی۔

معلوم نہیں تُو نے مجھ پر کون سا ایسا جادو کر دیا یا دعا کی کہ جس کی وجہ سے تیرا رشتہ آتے ہی میری زبان بند ہو گئی اور میں تجھے نہیں ٹھکرا سکی۔"

اندھا کچھ دیر تک اپنی بیوی کے نخرے برداشت کرتا رہا اور آخر کار اس کی قوتِ برداشت نے جواب دے دیا۔

پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا:

"اے عورت! تو کب تک مجھ پر احسان جتلاتی رہے گی۔ اگر تو اتنی ہی خوب صورت ہوتی تو بھلا آنکھیں رکھنے والے تجھے میرے لیے کیوں چھوڑتے؟"

خدا کو حاضر و ناظر سمجھنے والا شاگرد

حوزۂ علمیہ کے ایک جلیل القدر بزرگ کے سلسلے میں ملتا ہے کہ وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں بڑی اچھی طرح درس پڑھا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ استادِ محترم اپنے اس شاگرد کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض دوسرے شاگردوں نے ایک مرتبہ اپنے استاد سے کہا:

"ہم اس سے بہتر طور پر درس سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی آپ انھیں ہم پر ترجیح دیتے ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

استاد سمجھ گئے کہ زبانی جواب ان شاگردوں کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ لہٰذا انھوں نے عملی طور پر مثال دے کر انھیں مطمئن کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے استاد نے اپنے تمام شاگردوں سے کہا:

"آج میں آپ سب کو ایک زحمت دینا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ ایک ایک مرغ اپنے ساتھ لے جائیے اور اسے ذبح کر کے لے آئیے۔ ہاں البتہ اتنا خیال رہے کہ جب آپ مرغ ذبح کریں تو اس وقت کوئی موجود نہ ہو۔"

تمام شاگردوں نے ایک ایک مرغ لیا اور ان میں سے ہر ایک نے تنہائی میں جا کر اسے ذبح کر دیا۔ البتہ وہ شاگرد جو استاد کی نگاہ میں خاص عزت

رکھتا تھا مرغ کو ذبح کیے بغیر زندہ ہی لے آیا۔ اور استاد کی خدمت میں آ کر عرض کی:

"آپ نے تنہائی کی جو شرط عائد کی تھی۔ اس کی پابندی نہیں ہو سکی جہاں کہیں بھی گیا وہاں میں نے خدا کو حاضر و ناظر پایا!"

یہ جواب سُن کر اُستاد نے دوسرے شاگردوں سے کہا:

"اب تم سب نے اس شاگرد کو پہچانا؟ میرے اس شاگرد کو خداوندِ عالم نے ایسا نور عطا کیا ہے جو اگر کسی کے دل میں پیدا ہو جائے تو اسے سعادت اور بھلائی کا راستہ مل جاتا ہے۔ اور وہ خدا کو ہمیشہ حاضر و ناظر سمجھنے والا ہو جاتا ہے۔"

وہ مال جو قبر میں کام آسکے

حضرت ابوذر غفاریؓ شہر کے باہر اپنے اُونٹ چرانے میں مشغول تھے۔ اسی اثنا میں ایک شخص آپ کے پاس آکر مہمان بنا۔ اس وقت کھانا تیار نہیں تھا۔ لہٰذا مہمان نوازی کے لیے ضروری تھا کہ کوئی جانور ذبح کیا جائے۔ ابوذرؓ نے مہمان سے کہا:

میں فی الحال مصروف ہوں، اس لیے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں۔ مہربانی کرکے آپ خود ان اونٹوں میں کا سب سے بہترین اونٹ نکال لائیے تاکہ میں اسے نحر کردوں!"

مہمان گیا اور ایک دبلا پتلا کمزور سا اونٹ نکال لایا۔ ابوذرؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا:

"موٹا تازہ اونٹ نر تھا۔ وہ بوقت ضرورت تمھارے کام آئے گا!"

ابوذرؓ نے فرمایا: "کام کا تو وہ ہے جو قبر میں میرے کام آسکے۔ اگر آپ وہی موٹا تازہ اور بہترین اونٹ لے آئیں تو مہربانی ہوگی!"

آخرکار وہ مہمان گیا اور سب سے بہترین اونٹ نکال لایا۔

خاکِ شفا اور آنکھوں کی بینائی

سید نعمت اللہ جزائریؒ تقریباً تین سو سال پہلے شیراز کے مدرسے "منصوریہ" میں ہوا کرتے تھے۔ اس وقت شیراز دارالعلوم کی حیثیت رکھتا تھا وہاں نعمت اللہ جزائریؒ رات گئے تک مطالعے میں مصروف رہا کرتے تھے۔ غربت کی وجہ سے ان کے پاس چراغ تک موجود نہیں تھا۔ چنانچہ چاند کی روشنی میں مطالعہ کرنے کی وجہ سے اُن کی بینائی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی کتاب کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ میرے پاس اپنی آنکھوں کے دوا اور علاج کے لیے کوئی پائی پیسہ موجود نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ حکیم کے پاس جانے کے بجائے کیوں نہ میں حقیقی معالج اور شفا دینے والے کی جانب رجوع کروں۔ مجھے قرآنِ مجید کی یہ آیت بھی یاد آئی جس میں پروردگارِ عالم نے بارش کے پانی اور شہد کو باعث شفا قرار دیا ہے۔

چنانچہ یہ سوچ کر میں نے تھوڑی سی خاکِ شفا کو بارش کے پانی میں حل کیا اور سلائی کی مدد سے اسے اپنی آنکھوں میں لگا کر سو گیا۔ دوسرے دن میری آنکھوں کی بینائی بالکل ٹھیک تھی اور مجھے کسی دوا کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔

سرمایہ دار پل بھر میں فقیر ہو گیا

ایک شخص مختلف شہروں میں گھوم پھر کر خرید و فروخت کیا کرتا تھا اس شخص کا تعلق آذر بائیجان کے قریبی علاقے شاہسون سے تھا۔ ایک مرتبہ یہ شخص سامانِ تجارت کی خرید و فروخت کے سلسلے میں نکلا تو اس کا گزر ایک قبیلے کے پاس سے ہوا۔ وہاں ایک تہذیب یافتہ اندھا شخص اس سے ملا۔

اس شخص کے پاس بھیڑ بکریوں کا بہت بڑا گلّہ ہوا کرتا تھا اور اس کا خاندان اور بال بچے بہت زیادہ ہوا کرتے تھے۔

اندھے شخص کے بیٹوں نے پھیری لگانے والے شخص سے کہا:

"ہمارے والد کے ساتھ بیٹھ کر ان کی باتیں سنو تاکہ ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے!"

پھیری لگانے والے شخص نے اس سے پوچھا:

"تم کس بات پر کُڑھ رہے ہو؟"

اس اندھے شخص نے کہا:

"کیا بتاؤں ——!"

یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور وہ بولا:

ایک وقت وہ تھا جب یہ پورا صحرا میری بھیڑ بکریوں، گائے بھینس اور اونٹوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ غرض یہ کہ میدان ہو یا پہاڑ، کئی کئی فرسخ پر میرے گلّے کے جانور ہی جانور دکھائی دیتے تھے اور یہاں ہر طرف میری اولاد اور خاندان کے لوگ بسے ہوئے تھے۔

ایک دن میں نے اپنے پیارے سے پوتے کو جسے میں بہت چاہتا تھا۔ ساتھ لیا اور اسے اپنے ساتھ سواری کے جانور پر بٹھا کر چاروں طرف کی سیر کرانے لگا۔ اور میں نے اپنے پوتے سے کہا:

"تمھارا دادا اتنی بڑی جائداد کا مالک ہے۔ البتہ اگر خدا چاہے تو اُسے بھی فقیر بنانے میں ایک سال کا عرصہ لگے گا!"

اس کے بعد میں پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو قبلے کی جانب سے سیاہ بادل اُٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ پھر اچانک اتنے شدید اولے پڑے جس سے یہ چار دیواری بھرنے لگی۔ برف کے اولے اخروٹ کے برابر تھے اور وہ اتنی شدت سے گر رہے تھے کہ کہیں ٹھہرنے کے لیے جگہ محفوظ نہیں تھی۔

بالآخر میں نے پہاڑ کے اندر ایک غار تلاش کر لیا اور اپنے بال بچوں کو لے کر اس میں پناہ لے لی۔

کچھ دیر بعد جب میں نے غار سے جھانک کر دیکھا تو پتہ چلا کہ میرے سارے جانور ختم ہو گئے ہیں اور کچھ بھی باقی نہیں بچا ہے۔ سیلاب میرا سب کچھ بہا کر لے گیا ہے اور میں تھوڑی سی دیر میں فقیر اور محتاج ہو گیا ہوں۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر میں نے آہ و فریاد بلند کی اور کہنے لگا:

"کم سے کم میرا گھوڑا ہی مجھے مل جائے تاکہ میں اس پر سوار ہو کر

دیکھ سکوں کہ کچھ باقی بچا بھی ہے یا نہیں؟

اپنے پوتے کو ایک پتھر پر بٹھا کر میں اپنا گھوڑا تلاش کرنے نکلا۔

اسی اثنا میں مجھے اپنے پیچھے بھیڑیے کی غراہٹ سنائی دی۔ میں نے دیکھا کہ وہ میرے پیارے سے پوتے کو پھاڑ کھانا چاہتا ہے۔ فوراً ہی میں نے اپنی بندوق سے اس کا نشانہ لیا۔ میں بھیڑیے کو مارنا چاہتا تھا لیکن میں نے اپنے ہی پوتے کو مار دیا!

مجھے یہ پوتا بہت عزیز تھا ——— اسے خاک وخون میں لوٹتا ہوا میں نہ دیکھ سکا اور غم کی شدت سے مغلوب ہو کر میں نے اپنے سر پر بندوق مارنا شروع کر دی یہاں تک کہ میری بینائی ختم ہو گئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد میں شرم سے زمین پر بیٹھ گیا۔

یہ اندھا شخص کروڑپتی سرمایہ دار تھا اور اپنے آپ کو سب کچھ سمجھتا تھا۔ وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ یہ مال و دولت مجھے بچائے گا۔ لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ خود وہ اور دوسری تمام چیزیں خدا ہی کی جانب سے ہیں۔

بلّی کی شرارت اور پھر قرآن کی پناہ

حاجی نوری مرحوم کتاب دارالسلام میں تحریر فرماتے ہیں علمائے نجف میں سے ایک عالم نے جن کا نام مجھے یاد نہیں آرہا۔ مجھے بتایا:

میں نے اپنے گھر میں کبوتر پال رکھا تھا۔ کبھی کبھار ایک بلّی بھی گھر میں آیا کرتی تھی اور چلی جاتی تھی۔ لیکن ایک مرتبہ بلّی نے اچانک میرے پیارے سے کبوتر پر حملہ کر دیا اور وہ دبوچ کر چلی گئی۔ اور بچوں کے پیچھا کرنے کے باوجود وہ کبوتر نہ بچ سکا اور بلی بھاگ نکلی۔ اس طرح میرے اس کبوتر کو بلّی کھا گئی۔

اب میں نے بھی اس بلّی کے لیے ایک لاٹھی تیار کر رکھی تھی اور اس تاک میں تھا کہ جب بھی وہ بلّی آئے میں اسے اچھی طرح اس کی شرارت کا مزہ چکھاؤں۔ بلّی بھی بڑی ہوشیار تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ جس گھر میں چوری کی ہو اور خیانت کی مرتکب ہوئی ہو وہاں دن کی روشنی میں نہیں جانا چاہیے۔

چند دن گزر جانے کے بعد ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ بلّی بڑی آہستہ آہستہ، پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے بڑے شریفانہ انداز میں چلی آرہی ہے۔ میں بھی لاٹھی لے کر ایک جگہ چھپ گیا تاکہ اسے پتہ نہ چل سکے اور وہ راہِ فرار اختیار نہ کرے۔

میں اپنے کمرے میں پردے کے پیچھے چھپا ہوا تھا کہ بلی دبے پاؤں میرے کتاب خانہ میں داخل ہوئی۔ میں نے بھی فوراً کتاب خانے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔

بلی نے بھانپ لیا کہ دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اسی دوران میں نے اس پر لاٹھی سے حملہ کر دیا۔ بلی سمجھ چکی تھی کہ اب اِدھر اُدھر بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر کتابوں پر اِدھر اُدھر چلنے کے بعد قرآن مجید سے اپنا منہ لگا کر لیٹ گئی۔ بہ الفاظِ دیگر وہ قرآن مجید کی پناہ میں آگئی تھی!

جب میں نے دیکھا کہ یہ حیوان قرآن مجید سے اس طرح پناہ حاصل کر رہا ہے تو اپنی لاٹھی ایک طرف پھینک دی اور دروازہ کھول دیا تاکہ وہ باہر نکل جائے۔ بلی دبے پاؤں باہر نکل گئی۔ لیکن اس نے سچی توبہ کر لی تھی اس لیے کہ اس واقعہ کے بعد اس نے ہمارے گھر پر کبھی کوئی خیانت نہیں کی۔ نہ کبھی کسی کبوتر پر حملہ کیا اور نہ ہی کسی مچھلی کو اپنا نشانہ بنایا۔

———☼———

عاق شدہ فاسق بیٹا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک جوان غلط راہوں پر چل نکلا تھا۔ وہ اپنے باپ کی نصیحتوں پر کوئی توجہ نہیں دیتا تھا۔ باپ جو کچھ بھی اسے سمجھاتا وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا۔ تنگ آ کر باپ نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ بگڑا ہوا فاسق بیٹا بیمار پڑا اور مر گیا۔ باپ کو خبر دی گئی تو اس نے بے اعتنائی سے جواب دیا:

"میں اسے عاق کر چکا ہوں!"

بیٹا مر گیا اور باپ نے اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت نہیں کی!

دوسرے لوگوں نے اس ذمّہ داری کو پورا کیا۔

رات کو باپ نے اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا کہ وہ بڑے عالیشان مقام پر خوشی خوشی زندگی گزار رہا ہے۔ باپ نے سوال کیا:

"تم میرے بیٹے ہو؟"

جواب ملا:

"ہاں ——!"

باپ نے پوچھا:

"یہ شان وشوکت اور مقام تمھیں کیسے حاصل ہوا ؟"

بیٹے نے جواب دیا :

"سچ ہے ، اپنی زندگی کے آخری لمحات تک میں ایسا نہیں تھا ۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ مرنے والا ہوں اور میری حالت اتنی خراب ہے کہ میرا قریب ترین رشتے دار یعنی باپ بھی مجھے چھوڑ چکا ہے اور وہ بھی مجھ پر رحم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو میں نے ٹوٹے ہوئے دل سے خدا کو پکارا :

"یا ارحم الراحمین !"

یعنی اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ۔

ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ ایک مرتبہ جب میں نے خدا کو پکارا تو جہنم کی ہولناک وادیوں میں پھینکے جانے کے بجائے رحمتِ خدا کا دروازہ مجھ پر کھل گیا اور اس کا لطف میرے شاملِ حال ہو گیا !"

یاد رکھیے ! ایک مرتبہ "یا اللہ" کہنے سے اس کا سارا معاملہ سلجھ گیا ۔ جب اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (یعنی اے خدا ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) دل کی گہرائی سے اس نے کہا تو اس کا کام بن گیا ۔

بڑے سرمایہ دار قارون کا انجام

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ قارون علمِ کیمیا جانتا تھا اور وہ سونا بنا بنا کر بڑے بڑے صندوقوں میں جمع کر کے رکھا کرتا تھا اور ان صندوقوں کی چابیاں دوسرے صندوقوں میں ہوا کرتی تھیں ۔ اس کے پاس اتنے بہت سے جواہرات تھے جنھیں بڑے بڑے پہلوان مشکل سے اٹھایا کرتے تھے ۔

اتنے بڑے سرمایہ دار سے جب چالیسواں حصہ زکوٰۃ طلب کی گئی تو وہ ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا ۔ پھر اس سے ایک فی صد کے حساب سے مال طلب کیا گیا لیکن وہ اس پر بھی آمادہ نہیں ہوا ۔ یہاں تک کہ اس نے ہزار میں سے ایک کے حساب سے بھی رقم دینے سے انکار کر دیا !

اس حقیر آدمی نے سرکشی کا مظاہرہ کچھ اس انداز سے کیا کہ اس کے چار سو غلام سونے کا لباس پہنے ہوئے تھے اور ان غلاموں کی سواری کے گھوڑوں کی زین اور لگام بھی سونے کی تھی !

جاہل قسم کے لوگ اس زمانے میں بھی موجود تھے اور وہ قارون کی اس ظاہری شان وشوکت پر رشک کرتے تھے ۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش ہم بھی قارون کی طرح دولت مند ہوتے ۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی خواہش رکھنے

والے لوگ وہی تھے جو دنیاوی زندگی کی آسائشوں کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتے تھے اور بلا سوچے سمجھے قارون کی طرح ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔

اس خدا کی نافرمانی کرنے والے کی سرکشی یہاں تک پہنچی کہ وہ پیغمبرِ خدا حضرت موسیٰؑ کی توہین اور تذلیل کرنے پر اُتر آیا۔ وہ پیغمبرِ خداؑ کو بدنام کرنے لگا تاکہ لوگ ان پر اعتماد نہ کریں۔ دراصل قارون، حضرت موسیٰؑ کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا تھا۔ اور ایک مرتبہ تو اس نے حد ہی کر دی۔

اس نے ایک بازاری عورت کو کچھ سونے کے سکّے تاکہ جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو وعظ و نصیحت کرنے میں مشغول ہوں تو وہ انھیں بدنام کرے۔ اور اسے کہا کہ جب حضرت موسیٰؑ وعظ و نصیحت کر رہے ہوں تو کہنا کہ تم لوگوں کو کیا نصیحت کرتے ہو جب کہ میرے ساتھ خود زنا کر چکے ہو!

دوسرے دن حضرت موسیٰؑ نے معمول کے مطابق وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا اور ضمناً زنا جیسے گناہ کی بابت لوگوں کو بتایا۔ یہ بات سُن کر قارون نے منبر کے نیچے سے چلّا کر کہا:

"اے موسیٰؑ! تو پھر تم نے خود کیوں زنا کا ارتکاب کیا؟"

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:

"کب اور کہاں؟!"

قارون نے کہا:

"فلاں عورت سے، جو کہ اس وقت یہاں موجود ہے اور خود اس کی گواہی دے گی۔"

یہی وہ موقع تھا جب پروردگارِ عالم نے اپنے پیغمبرؑ کو ذلیل و رسوا ہونے سے بچا لیا۔ اور اس زناکار عورت کی زبان پر تالے پڑ گئے۔ ورنہ قومِ بنی اسرائیل

حضرت موسیٰؑ کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کرتی!

ایک طرف قارون کے سونے چاندی کے سکّے تھے اور انہی کی مدد سے وہ حضرت موسیٰؑ کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتا تھا اور دوسری جانب قومِ بنی اسرائیل کا یہ عالم تھا کہ وہ ان کی رسوائی کے لیے بہانے کی تلاش میں رہتی تھی۔ ظاہر ہے کہ دونوں چیزیں مل کر کیا اثر دکھا سکتی تھیں۔ لیکن خداوندِ کریم نے اس عورت کی زبان پر سچّی حقیقت جاری کروا دی اور اس نے کہا:

"قارون نے مجھے اتنی مقدار میں سونے کے سکّے دیے تھے تاکہ میں یہاں آکر لوگوں کے سامنے حضرت موسیٰؑ پر زنا کا الزام لگاؤں۔

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ زنا کی تہمت لگانا آسمان اور زمین سے زیادہ بھاری گناہ ہے تو بھلا مقامِ نبوّت پر فائز الٰہی نمائندے پر یہ تہمت کتنا زیادہ سنگین گناہ ہوگا!

مومن غیرت مند ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقامِ نبوت پر فائز ہونے والا، ایک عام مومن سے کہیں زیادہ غیرت مند ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ نے تہمت زنا کے سلسلے میں خداوندِ عالم سے شکایت کی تو آواز آئی:

"ہم زمین کو تمھارے اختیار میں دیتے ہیں!"

حضرت موسیٰؑ نے زمین سے کہا اور قارون زانوؤں تک زمین میں گڑ گیا!

یہ صورتِ حال دیکھ کر قارون نے جناب موسیٰؑ سے مدد طلب کی۔ اس نے توبہ نہیں کی تھی بلکہ صرف اپنی نجات چاہتا تھا۔ اس بدنصیب کو توبہ کی توفیق حاصل نہیں ہوئی۔ ورنہ وہ یہ کہتا کہ میں نے زکوٰۃ نہ ادا کر کے غلطی کی ہے۔ اب میں زکوٰۃ دوں گا۔ وہ تو یہ کہہ رہا تھا کہ اے موسیٰؑ! مجھے اس عذاب

سے رہائی دے دو۔ یا اس عذاب سے چھٹکارا دے دو۔

موسیٰؑ نے دوبارہ زمین سے کہا اور قارون کمر تک زمین میں گڑ گیا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ مجھے نجات دو۔ لیکن انھوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ فرمایا کہ اے زمین اسے نگل لے۔ اور اب وہ گردن تک زمین میں دھنس گیا!

اب قارون کہنے لگا:

"اے موسیٰؑ! تم مجھے ہلاک کرکے میرے مال و دولت کو استعمال کرنا چاہتے ہو؟"

حضرت موسیٰؑ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کا تمام مال و دولت اس کی آنکھوں کے سامنے نگل لے اور اس کے بعد خود اسے بھی مکمل طور پر نگل جا۔

چنانچہ اس کا تمام تر خزانہ اس کی آنکھوں کے سامنے زمین نے نگل لیا۔ اس طرح اس کے رنج وغم میں اور اضافہ ہوگیا اور اسی افسوس کی حالت میں وہ زمین میں دھنس کر ہلاک ہوگیا!

بڑے سرمایہ دار قارون کا یہ بھیانک انجام دیکھ کر وہ لوگ جو قارون کی طرح بننا چاہتے تھے کہنے لگے:

"خدا کا شکر ہے کہ ہمارے پاس اتنا بڑا خزانہ نہیں تھا۔ ورنہ ہمارا بھی یہی انجام ہوتا!"

جُل دینے والے کو مُنہ توڑ جواب

وہ لوگ جو ہر بُرائی کی نسبت خدا کی دیتے ہیں انھیں ایک باغبان نے بہت اچھا جواب دیا ہے۔ ایک شخص نے جب اس کے باغ میں گھُس کر پھل چرا کر کھائے اور پھلوں کو تھیلے میں بھر کر لے جانے لگا تو باغبان کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ اس کی مہینوں کی مشقت سے یہ ڈھیٹ قسم کا چور فائدہ اٹھا رہا تھا۔ جب باغبان نے اس سے یہ کہا:

"اے بندۂ خدا تم یہ کیا کر رہے ہو؟"

اس بے شرم چور نے جواب دیا:

"زمین اللہ کی ہے، درخت اللہ کے ہیں۔ یہ پھل اللہ کے ہیں، میں بھی اللہ کا بندہ ہوں اور یہ دانت بھی مجھے خدا نے عطا فرمائے ہیں۔ لہٰذا تم بیچ میں بولنے والے اور روکنے ٹوکنے والے کون ہوتے ہو؟!"

یہ سُن کر باغبان کو بڑی حیرت ہوئی اور وہ سوچنے لگا کہ ایسے ڈھیٹ اور ہٹ دھرم کو کیا جواب دیا جائے۔ جو اپنے تمام بُرے کاموں کی نسبت خدا کی طرف دے رہا ہے۔ کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد باغبان ایک جگہ چھپ کر چور کی تاک میں بیٹھ گیا اور جب وہ باغ سے نکل کر جانے لگا تو

اُسے جست لگا کر پکڑ لیا اور چور کے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے باندھ دیے اور پہلے سے موجود ایک موٹے ڈنڈے سے اس کی پٹائی شروع کر دی۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر چور آہ و فریاد کرنے لگا تو باغبان نے کہا:

"آہ و فریاد کیوں کرتے ہو؟ یہ ڈنڈا خدا کا ہے، ہاتھ خدا کا ہے اور میں بھی خدا کا بندہ ہوں، تمھارا جسم بھی خدا ہی کا ہے تو پھر تم یہ آہ و فغاں اور احتجاج کیوں کر رہے ہو؟!

جنّت کی خرید و فروخت کا خاتمہ

جنّت کی خرید و فروخت بھی کیا خوب تماشا ہے۔ یہودی تمام بنی اسرائیل کو جنّتی قرار دیتے ہیں اور اس طرح اسے اپنے آباؤ اجداد کی میراث سمجھتے ہیں! عیسائی بھی جنّت کو حضرت عیسیٰؑ کی ملکیت سمجھتے ہیں اور عیسائیوں کے نمائندے اسے کلیسا میں آنے والوں کے لیے مخصوص سمجھتے ہیں اور عیسائی پادری جسے چاہتے ہیں اسے بیچ دیتے ہیں!

لکھا ہے کہ چند سال قبل جنّت کی خرید و فروخت کا کاروبار بڑے زوروں پر تھا اور یہ دکان خوب جمی ہوئی تھی اور گز کے حساب سے جنّت بیچی جا رہی تھی۔ خدا بہتر جانتا ہے۔ ایک اصفہانی اٹلی میں رہا کرتا تھا۔ اس نے بڑا اچھا اور دلچسپ کارنامہ انجام دیا۔

اس نے اعلان کیا کہ میں جہنّم خریدنا چاہتا ہوں۔ سب لوگ تو جنّت خرید رہے تھے لیکن اس نے اعلان کیا کہ میں جہنّم خریدنے کا خواہاں ہوں۔ اس نے اپنا یہ اعلان بڑے زور و شور کے ساتھ ذرائع ابلاغ کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا۔

اس کے بعد وہ اصفہانی پوپ کے پاس پہنچا اور بڑے خلوص کے

ساتھ اس سے گزارش کی کہ وہ ایک خطیر رقم کے بدلے جہنم اس کے ہاتھ بیچ دے۔

پوپ نے کہا:

" آخر تم کیوں جہنم خریدنا چاہتے ہو؟ "

اس شخص نے بڑے خلوص کے ساتھ اپنی خواہش کی تکمیل کے سلسلے میں اصرار کیا اور بالآخر پوپ کا دل نرم کرکے اسے شیشے میں اتار لیا۔

پوپ نے سوچا کہ یہ کتنا اچھا خریدار ہے کہ پوری جہنم خطیر رقم ادا کرکے خرید رہا ہے۔

بہرحال پوپ نے بڑی بھاری رقم طلب کی اور اس شخص نے وہ ادا کردی اور پوپ نے دستخط کرکے اسے سند دے دی۔ اب یہ شخص پوری جہنم خرید کر اس کا مالک بن چکا تھا۔

پوپ سمجھ رہا تھا کہ میں نے اس اصفہانی کو بڑی مہارت سے زیر کرلیا ہے اور اس معاملے میں اچھی خاصی رقم وصول کرکے اسے خوب بے وقوف بنا لیا ہے!

لیکن دوسرے ہی دن اس نے دیکھا کہ اصفہانی شخص نے پوپ کی اس سند کو شائع کردیا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ:

اے عیسائیو! اس سند کے مطابق میں نے اتنی بڑی رقم ادا کرکے جہنم خرید لی ہے اور اب جہنم میری ملکیت ہے۔ اس کے تمام تر اختیارات میرے پاس ہیں۔ لہٰذا اب میں تم لوگوں میں سے کسی کو بھی جہنم میں جانے نہیں دوں گا۔ چنانچہ اب تمھیں جنت خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم لوگ خوب سمجھ سکتے ہو کہ اب تمھیں لامحالہ جنت ہی میں جانا ہے۔ اس لیے کہ تمھیں جہنم میں جانے کا راستہ نہیں دیا جائے گا!

اصفہانی شخص کے اس دلچسپ اقدام کی وجہ سے جنت کی خرید و فروخت کا کاروبار ٹھپ ہوگیا!

اور ———

اس سلسلے میں پوپ کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے!

اصحابِ رقیم کو غار سے نجات مل گئی

رقیم ایک غار کا نام ہے اور غالباً یہ شام کی پہاڑی حدود میں واقع ہے۔ گزشتہ زمانے میں تین آدمی اس پہاڑی علاقے میں شکار کر کے گزربسر کر لیا کرتے تھے!

ایک دن اچانک بجلی چمکی، بادل زور سے گرجے اور زوردار اولے پڑنے لگے۔ مجبوراً ان تینوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑا سا پہاڑی تودہ غار کے دروازے پر آ گرا اور اس طرح وہ اس غار میں محصور ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا پہاڑی تودہ وہ ہٹا نہیں سکتے تھے۔

وہ تینوں آپس میں کہنے لگے کہ ہم اندر سے زور لگا کر باہر نہیں نکل سکتے اور باہر والوں کو بھی ہماری کوئی خبر نہیں ہے۔ اس لیے وہ بھی ہماری کوئی مدد کرنے نہیں آئیں گے۔ لہٰذا ہم سب مل کر خدا سے نجات کے سلسلے میں تمسک اختیار کرتے ہیں اور اس سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ہم میں سے جس نے بھی اپنی زندگی میں کوئی نیک عمل خدا کے لیے کیا ہو اسے بیان کرے اور اس کے ذریعے مدد طلب کرے۔ شاید اس طرح ہماری نجات کا سامان ہو جائے۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا:

"پروردگارا! چند سال پہلے میں نے اپنے والدین کی خاطر تواضع کے لیے دعوت کا اہتمام کیا۔ پہلے سلیقے سے انھیں کھانا کھلایا اور بعد میں خود کھایا جب رات ہوئی تو میں اپنے والد سے بات چیت کرنے کے لیے ان کے کمرے میں گیا تو وہ سو چکے تھے۔ لہٰذا میں نے از راہ احترام انھیں جگانا مناسب نہیں سمجھا اور ان کے سرہانے بیٹھا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اور وہ نیند سے بیدار نہیں ہوئے۔

خداوندا! میرا یہ عمل اگر خالصتاً تیرے لیے تھا تو اس کے ذریعے ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما!"

اتنا کہنا تھا کہ وہ بڑا سا پہاڑی تودہ تھوڑا سا ہٹ گیا۔ البتہ آدمی کے نکلنے کے لیے جتنا راستہ چاہیے اس کا ایک تہائی راستہ کھلا تھا!

دوسرے شخص نے کہا:

"بارالٰہا! میں نے چند آدمیوں سے مزدوری کرائی تھی۔ ان سب نے صبح سے عصر تک کام کیا تھا۔ البتہ ان مزدوروں میں سے ایک مزدور ظہر کے وقت کام پر لگا تھا۔ لیکن میں نے تمام مزدوروں کو یکساں اجرت دی تھی۔ اس موقع پر صبح سے عصر تک کام کرنے والے مزدوروں میں سے ایک نے اعتراض کیا تھا اور غصے میں آ کر مزدوری کی رقم پھینک کر چلا گیا تھا۔

میں نے اس مزدور کی رقم سنبھال کر رکھی لیکن وہ اسے لینے نہیں آیا۔ بالآخر میں نے اس رقم سے ایک گوسفند خرید لیا اور اس سے نسل بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ گوسفندوں کا ایک بڑا گلہ تیار ہو گیا۔ میں اس سے حاصل ہونے والے دودھ اور اون کو بھی اسی مزدور کے حساب میں رکھتا چلا جاتا تھا۔ پھر ایک مرتبہ میرے پاس ایک بوڑھا مفلس شخص آیا اور آ کر

کہنے لگا:

"مجھے پہچانتے ہو؟ میں وہی مزدور ہوں جس نے آج سے کافی عرصہ پہلے اپنی مزدوری نہیں لی تھی۔ اب مجھے اس کی شدید ضرورت ہے، لہٰذا مجھے وہ مزدوری دے دو!"

میں نے اسے جواب دیا:

"میں نے تمھیں بہت تلاش کیا لیکن تم مجھے نہیں ملے!"

اور یہ کہہ کر میں نے وہ پورا گلہ اس کے حوالے کر دیا۔

خداوندا! میرا یہ عمل اگر تیری خوشنودی کے لیے تھا تو اس کے ذریعے ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما!"

اتنا کہنا تھا کہ اچانک وہ پہاڑی تودہ اپنی جگہ سے سرک گیا اور آدمی کے نکلنے کے لیے جتنا راستہ چاہیے تھا اس کا دو تہائی راستہ کھل گیا۔

تیسرے شخص نے کہا:

"قحط کے زمانے میں میرے پاس ایک حسین وجمیل عورت نے آکر کھانے کی خواہش کی تھی اور میں نے اس سے فعلِ حرام کا تقاضا کیا تھا۔ اس عورت نے مجبوری کے تحت اسے قبول کر لیا۔ لیکن پھر عملی طور پر اس گناہ کو کرنے سے قبل مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔

پروردگارا! میرا یہ عمل اگر تجھے حاضر وناظر جان کر خلوص نیت کے ساتھ تھا اور میں نے فعلِ حرام سے بچتے ہوئے اس عورت کو کھانا کھلایا تھا تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما!"

اتنا کہنا تھا کہ پہاڑی تودہ ہٹ گیا اور وہ تینوں غار سے نکل آئے اور انھیں اس مصیبت سے نجات مل گئی!

بچّہ بھیڑیے کا لقمہ بننے سے بچ گیا

مروی ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک خاتون کے پاس روٹی کے ایک لقمے سے زیادہ کچھ اور موجود نہیں تھا اور کسی سائل نے آکر جب بھوک کا اظہار کیا تو اس نے وہ لقمہ سائل کو دے دیا۔ اس کے بعد وہ عورت اپنے بچّے کو لے کر نخلستان کی جانب روانہ ہو گئی۔

وہاں پہنچ کر اس نے بچّے کو ایک طرف لٹا دیا اور خود کام کاج میں لگ گئی۔ اسی اثنا میں ایک بھیڑیا آیا اور بچّے کو اپنے منہ میں دبا کر لے جانے لگا۔ اتنے میں یک بیک ایک فرشتہ انسانی صورت میں آیا اور اس نے بچّے کو بھیڑیے کے منہ سے نکال کر ماں کے حوالے کر دیا اور کہنے لگا:

"اے خاتون! لقمے کے بدلے لقمہ!"

یعنی اس بچے کو بھیڑیے کا لقمہ بننے سے اس لیے بچایا گیا ہے کیونکہ تم نے سائل کو روٹی کا ایک لقمہ دیا تھا۔ اس روٹی کے ٹکڑے کی برکت سے تمھارا بچہ بھیڑیے کا لقمہ بننے سے بچ گیا ہے اور تمھیں واپس لوٹایا جا رہا ہے۔

مختلف خواہشات اور مصلحتِ پروردگار

ایک دن حضرت موسیٰ ابنِ عمران علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ آج میں تمھیں اپنی ایک نشانی دکھاؤں گا۔

اس سلسلے میں حکمِ الٰہی یہ ہوا کہ فلاں گاؤں کے فلاں کوچے میں چلے جاؤ وہاں یہ چار آدمی رہتے ہیں۔ تم ان سے بات چیت کرو اور ان کے کام کاج اور خواہشات کے بارے میں پوچھو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مقام پر پہنچ گئے اور انھوں نے پہلے آدمی سے پوچھا:

"تم کیا کام کرتے ہو؟"

اُس نے بتایا:

"میں کسان ہوں۔ پچھلے سال میری فصل کو نقصان پہنچا تھا۔ اب اس سال میں نے قرض لے کر کافی مقدار میں بیج بوئے ہیں۔ اب میری یہ خدا سے دعا ہے کہ اس سال خوب بارش ہو۔ آپ بھی دعا کیجیے کہ اب کی بار کھل کر بارش ہو جائے۔"

جب حضرت موسیٰؑ نے دوسرے شخص سے یہی سوال کیا تو اُس

نے بتایا:

"میں کمہار ہوں۔ میرا کام مٹی کے برتن بنانا ہے!"

حضرت موسیٰؑ نے دریافت فرمایا:

"تمھاری کیا خواہش ہے؟"

اس نے کہا:

"جب میں اپنے کام میں لگتا ہوں تو مجھے مٹی کا برتن بنانے کے بعد اسے بھٹی میں خوب پکانا پڑتا ہے۔ کبھی کبھار اچانک آسمان پر بادل چھا جاتے ہیں اور بارش ہونے لگتی ہے۔ اس طرح میرا کام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر اس سال بالکل بارش نہ ہو تو میرا کام خوب پھولے پھلے گا۔"

حضرت موسیٰؑ نے تیسرے آدمی سے پوچھا:

"تم کیا کرتے ہو اور تمھاری کیا خواہش ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"میرا کام خرمن میں موجود غلّے کی صفائی کرنا ہے۔ یہ کام کرتے وقت اگر زور دار ہوا چلتی رہے تو میں اپنا کام تیزی سے انجام دے سکتا ہوں۔ خدا کرے کہ خرمن میں موجود بالیوں اور بھٹّوں کی صفائی کے موقع پر خوب اور تیز ہوا چلے!"

حضرت موسیٰؑ نے چوتھے آدمی سے پوچھا:

"تمھارا پیشہ کیا ہے اور تم کیا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا:

"میں باغبان ہوں۔ جب درختوں پر پھل نہیں ہوتے تو خیر کوئی بات نہیں لیکن جب پھل لگ جائیں تو تیز ہوائیں پھلوں کو گرا دیتی ہیں۔ اگر

اس سال تیز ہوائیں نہ چلیں تو میرے لیے بہت ہی بہتر ثابت ہو گا!"

حضرت موسیٰ علیہ السلام چار آدمیوں کی مختلف خواہشات سن کر حیرت میں پڑ گئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی:

"پروردگارا! تو بہتر جانتا ہے کہ ان بندوں کے کس کام میں مصلحت ہے اور تو ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا!"

حضرت دانیالؑ اندھے کنویں میں

بخت نصر نے حضرت دانیال پیغمبرؑ کو گرفتار کر کے اندھے کنویں میں ڈال دیا اور ساتھ ہی ایک درندہ بھی اس میں چھوڑ دیا۔ اور کنویں کو اوپر سے بند بھی کر دیا۔

حضرت دانیالؑ بلاخوف و خطر وہاں ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے اور وہ درندہ بھی آپؑ کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرنے لگا۔

وہ دن گزر گیا اور پھر خدا نے ایک اور پیغمبرؑ کو بھیجا تاکہ وہ حضرت دانیالؑ کو کھانا فراہم کریں۔ انھوں نے آ کر کنویں کو اوپر سے کھولا تو حضرت دانیالؑ کی آواز سنائی دی:

"اس خدا کا شکر ہے کہ جو ہر اس شخص کو فراموش نہیں کرتا جو اسے یاد کرتا ہو!"

خالہ سے نیکی اور گناہوں سے معافی

مقدّر میں لکھے جانے والے فیصلے کو جو چیزیں تبدیل کر دیتی ہیں ان میں سے ایک ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک ہے۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کے نتیجے میں بہت سی بلائیں اور مصیبتیں ٹل جاتی ہیں اور ان کے عوض آسانیاں اور خوشیاں مل جاتی ہیں۔ وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے کہ جس کا باپ اس دنیا میں موجود ہو یا جس کی ماں اس دنیا میں موجود ہو اور وہ ان کا دل خوش کرے۔

بحار الانوار میں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلے میں ایک حدیث موجود ہے۔ یہ میں آپ لوگوں کے لیے بیان کیے دیتا ہوں:

ایک دن پیغمبرِ اکرمؐ کی خدمت میں کسی شخص نے آکر کہا:

"اسلام قبول کرنے سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں، میں نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، میرا یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے یا نہیں؟

وہ گناہ یہ ہے کہ میرے ہاں بیٹی پیدا ہوئی، میری بیوی نے اس ڈر سے کہ کہیں میں اسے ہلاک نہ کر ڈالوں بچی کو مجھ سے چھپائے رکھا اور یہ کہہ دیا:

"میں نے اسے قتل کر دیا ہے!"

لیکن درحقیقت وہ چھپ چھپا کر اس کی پرورش کرتی رہی تھی

یہاں تک کہ وہ بچی کئی سال کی ہو گئی۔ میری بیوی نے سوچا کہ میرا شوہر اسے قتل نہیں کرے گا لہٰذا وہ اسے گھر لے آئی۔ اور ایک دن جب میں گھر میں داخل ہوا تو وہ بچّی موجود تھی۔

میں نے پوچھا:

یہ کس کی بیٹی ہے؟

اس نے کہا:

"اگر سچ سچ کہہ دوں تو جان کی امان ہو گی؟"

میں نے کہا:

"ہاں ——!

بیوی نے بتایا:

"یہ تمھاری ہی بیٹی ہے! میں نے اسے تم سے چھپا کر اتنا بڑا کیا ہے!"

میں نے کہا:

"بہت خوب! اچھا کیا۔"

اور پھر گھمانے پھرانے کا بہانہ کر کے میں اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ میرے پاس کلہاڑی اور رسّی بھی تھی۔ بچّی کی ماں نے یہ دیکھ کر مجھ سے کہا:

"اگر تم اسے گھمانے پھرانے اور سیر کرانے لے جا رہے ہو تو تمھارے پاس یہ کلہاڑی اور رسّی کیوں ہے؟"

میں نے کہا:

"ہو سکتا ہے میں صحرا میں جا کر جھاڑیاں کاٹ کر اپنے ساتھ لے آؤں!"

صحرا میں پہنچ کر میں نے ایک گڑھا کھودا۔ جب میں گڑھا کھود رہا

تھا تو مٹی اُڑ اُڑ کر میری بیٹی پر گر رہی تھی اور وہ اپنے چھوٹے ہاتھوں
جھاڑتی جاتی تھی۔ جب پورا گڑھا کھودا جاچکا تو میں نے بیٹی کو اس میں ڈال
کر مٹی سے بند کر دیا!

اے اللہ کے رسولؐ! بتایئے میری توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس شخص سے دریافت فرمایا:

"تمھاری ماں زندہ ہے؟"

اس نے کہا:

"نہیں، وہ مر چکی ہے۔"

آپؐ نے پوچھا:

"تمھاری خالہ زندہ ہے؟"

اس نے کہا:

"جی ہاں ——!"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"اپنی خالہ کے ساتھ نیکی کرو!"

جب وہ شخص چلا گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

"لو کانت امّھا۔"

یعنی کاش اس کی ماں زندہ ہوتی! مطلب یہ ہے کہ ماں کے ساتھ نیکی کرکے وہ اتنے بڑے گناہ کی تلافی کرسکتا تھا اور اس طرح اس کے گناہ معاف ہوسکتے تھے لیکن اب چونکہ اس کی ماں زندہ نہیں ہے اس لیے اسے چاہیے کہ وہ اپنی خالہ کے ساتھ نیکی کرے۔ کیونکہ خالہ کا رشتہ ماں کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ایک حد تک اپنے گناہوں کی تلافی کرسکتا ہے!

نبی کریمؐ کا حلم اور ایک یہودی

ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک یہودی کے مقروض تھے۔ ایک مرتبہ جب آپؐ راستے سے گزر رہے تھے تو اس یہودی نے آنحضرتؐ کو روک لیا اور کہا اپنا قرض ادا کرکے جاؤ۔

رسول اللہؐ نے فرمایا:

"اس وقت میرے پاس قرض ادا کرنے کے لیے رقم نہیں ہے۔"

یہودی نے کہا:

"میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا!"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"میں بھی اسی جگہ رُکا رہوں گا۔"

بعض اصحاب نے راستے سے گزرتے ہوئے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو انھوں نے اس یہودی کو ڈانٹنا اور جھڑکنا چاہا لیکن آنحضرتؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔ حالانکہ اگر آپؐ ایک اشارہ فرما دیتے تو وہ یہودی ٹکڑے ٹکڑے کردیا جاتا۔

شہر مدینہ میں شدید گرمی پڑ رہی تھی اور سورج پوری شدت کے

ساتھ چمک رہا تھا۔ آنحضرتؐ دھوپ کی وجہ سے سر سے لے کر پاؤں تک پسینہ پسینہ
ہو رہے تھے لیکن اس کے باوجود آپؐ نے اس یہودی سے کسی قسم کی تلخ بات نہیں کی
یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا۔ لوگوں نے آ کر کہا:

"یا رسول اللہؐ! نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ کیا آپؐ مسجد تشریف نہیں
لائیے گا؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"یہ یہودی مجھ پر حق رکھتا ہے (لہٰذا میں نہیں آ سکتا)

جب یہودی نے یہ صورت حال دیکھی تو اس نے پیغمبرِ اکرمؐ کے
ہاتھوں کا بوسہ لیا اور قدموں میں گر کر کہنے لگا:

"میں نے آپؐ کو رقم وصول کرنے کے لیے نہیں روکا تھا بلکہ میں نے
توراۃ میں پیغمبرِ آخر الزمانؐ کے اوصاف پڑھے تھے اور ان اوصاف میں سے ایک
وصف حلم و بردباری بھی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس طرح آزما کر دیکھوں کہ آپؐ
وہی آخری پیغمبرؐ ہیں یا نہیں؟ اب میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں!"

اور پھر اس نے کہا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ
مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ۔

بہلولؒ اور مُردوں کی آزمائش

اگر آپ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ سب کے سب فقیر ہیں تو
ایک مرتبہ قبرستان جا کر مُردوں کی احوال پُرسی کیجیے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا
کہ لکھ پتی اور فقرا، وہاں کس حالت میں رہتے ہیں۔

چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بہلولؒ، بغداد کے قبرستان میں مُردوں
کے سروں کو ہلا جُلا کر دیکھ رہے تھے۔ کبھی جبڑا چیر کر اسے مٹی سے بھر دیتے تھے
اور کبھی خالی کر دیتے تھے!

ایک شخص نے پوچھا:

"بہلولؒ! تم مُردوں کے ان سروں کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟"

بہلولؒ نے جواب دیا:

"میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے مال دار اور غریب کے سروں کو الگ
الگ کروں اور حاکم اور محکوم کے سروں کو ایک دوسرے سے جُدا کر دوں
لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ تو سب کے سب یکساں ہیں!"

سفرِ آخرت کا اِرادہ

زہری کہتے ہیں:

"رات کی تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی تھی اور بارش بھی ہو رہی تھی میں اپنے غلام کے ساتھ مدینے کی گلیوں سے گزر رہا تھا کہ دور سے دیکھ کر مجھے یہ گمان ہوا کہ میرے مولا حضرت زین العابدین علیہ السلام کہیں جارہے ہیں۔ میں اپنے گھوڑے سے اُترا اور امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر اظہارِ عقیدت کیا۔

آپؑ کے پاس روٹیوں کا ایک گٹھڑ موجود تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے ادب سے پوچھا:

"مولاؑ! کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟"

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

"سفر کا ارادہ ہے اور یہ میں نے سفر کے لیے زادِ راہ تیار کر رکھا ہے۔ چاہتا ہوں کہ اسے محفوظ جگہ پر رکھ دوں!"

میں نے عرض کیا:

"تو اجازت دیجیے۔ میرا غلام اس سلسلے میں آپؑ کی مدد کرے۔"

آپؑ نے فرمایا:

"اس کام کے لیے میں خود کو دوسروں پر مقدم سمجھتا ہوں۔"

زہری کہتے ہیں کہ پھر چند ہی دنوں کے بعد میں نے اپنے مولاؑ کو مدینے ہی میں دیکھا چنانچہ میں نے کہا:

"کیا آپؑ سفر پر نہیں جارہے تھے؟"

آپؑ نے فرمایا:

"جس سفر کا تم گمان کرتے ہو میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ میں نے سفرِ آخرت کا ارادہ کیا تھا۔ (اور وہ روٹیاں شہر مدینہ کے فقراء کے لیے لے جارہا تھا.........)

روایت میں ہے کہ حضرت سیدِ سجادؑ چار سو فقراء کے گھروں پر اس طرح روٹیاں پہنچاتے تھے کہ کوئی آپؑ کو پہچان نہیں سکتا تھا۔

بدکار عورت کا نیک عمل

کتاب "لئالی الاخبار" میں ایک بدکار عورت کی بابت لکھا ہے کہ وہ ایک مرتبہ سفر کر رہی تھی۔ اس سفر کے دوران اسے ایک پیاسا کُتّا نظر آیا۔ کتّے کی پیاس دیکھ کر اس کا دل بھر آیا اور وہ ایک کنوئیں کے پاس پہنچ گئی۔ وہاں ڈول موجود نہیں تھا البتہ اس کے پاس ایک برتن تھا۔

اس عورت نے بڑی محنت مشقّت کر کے اور زحمتیں اُٹھا کر کنوئیں سے پانی نکالا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اس عورت نے اپنے سر کے بال کاٹ لیے اور جوڑ باندھ کر ان سے رسّی کا کام لیا اور اس طرح کنوئیں سے پانی نکال کر پیاسے کتّے کو پلا دیا۔

اس بدکار عورت کا یہ نیک عمل، توبہ کا ذریعہ ثابت ہوا اور وہ الٰہی احکام کی طرف لوٹ آئی۔ یہاں تک کہ اسے سعادت نصیب ہوئی اور اسی پر باقی رہتے ہوئے وہ اس دنیا سے رخصت ہوئی۔

لٹیروں سے حفاظت کا طریقہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کچھ لوگوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ یہ قافلہ ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں لٹیرے اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہوئے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر قافلے والے سہم گئے اور انھوں نے آکر امامؑ کو چاروں طرف سے گھیر کر پوچھا:

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ہم اپنا مال آپؑ کے حوالے کر دیں؟ اس طرح ممکن ہے کہ لٹیرے آپؑ کا احترام کرتے ہوئے (کیونکہ آپؑ اولادِ پیغمبرؐ میں سے ہیں) ہم سے کوئی سروکار نہ رکھیں اور کسی قسم کی لوٹ مار نہ کریں۔"

امامِ عالی مقامؑ نے فرمایا:

"یہ کوئی عاقلانہ فیصلہ نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے ان لٹیروں کی نظر مجھ پر ہو اور وہ مجھے بھی نقصان پہنچانا چاہتے ہوں۔"

پھر قافلے والوں نے کہا:

"تو اگر ہم اس صحرا میں گڑھا کھود کر اپنا مال واسباب چھپا دیں تو کیسا رہے گا؟ اس کے بعد لوٹتے وقت ہم یہاں سے اپنا مال لے لیں گے!"

امام علیہ السلام نے رہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"یہ بھی کوئی عقل مندی کا کام نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کسی کو یہ جگہ معلوم ہو جائے اور وہ یہاں سے مال نکال کرلے جائے یا واپسی پر ہم یہ جگہ بھول جائیں (اور اپنا مال حاصل نہ کر سکیں۔ خاص طور پر ریگستانی علاقوں میں انسان کے لیے کسی مخصوص جگہ کا یاد رکھنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ تند و تیز ہواؤں کی وجہ ایسے علاقوں میں ریت کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے بنتے اور ختم ہوتے رہتے ہیں اور ان ٹیلوں کی جگہ تبدیل ہوتی رہتی ہے)"

بالآخر بے بسی کے عالم میں قافلے والوں نے پوچھا:

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ایسے کے ہاتھ دے دو جس سے کوئی بھی چرا کر نہیں لے جا سکتا ہے اور وہ اس کی اچھی طرح حفاظت کرنے والا ہے۔ اور جب تمھیں اس کی شدید ضرورت ہوگی تو وہ تمھیں اس سے کئی گنا زیادہ دینے والا ہے۔"

لوگوں نے پوچھا:

"وہ کون ہے؟"

آپؑ نے فرمایا:

"وہ خدا ہے! خدا کے سپرد کر دو تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے اور جان کنی کی سختی، قبر کی تاریکی، برزخ کے دور اور قیامت کی سختی کے موقع پر تمھیں لوٹا دے گا۔"

انھوں نے کہا:

"ہم اس کے لیے تیار ہیں۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"تم لوگ خدا سے عہد کرو کہ اپنے مال کا تیسرا حصّہ راہِ خدا میں صدقہ کرو گے!"

لوگوں نے کہا:

"یہاں تو کوئی فقیر نظر نہیں آتا پھر ہم صدقہ کسے دیں؟"

امامؑ نے فرمایا:

"جب تم اپنے گھر پہنچو تو ایسا کر لینا!"

لوگوں نے امامؑ کی یہ بات مان کر عہد کر لیا کہ وطن پہنچنے پر وہ اپنے مال کا تیسرا حصّہ راہِ خدا میں صدقہ کر دیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اب تم سب کے سب خدا کی امان میں ہو۔ اپنا سفر جاری رکھو تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔"

پھر اگلی منزل پر وہ لٹیرے ظاہر ہوئے۔ لٹیروں کے سردار نے آکر پوچھا:

"جعفرؑ ابن محمدؑ کہاں ہیں؟"

پھر لٹیروں کا سردار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے قریب آیا۔ اس نے آپؑ کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور قدموں میں گر کر بولا:

"ہم اس قافلے کا مال و اسباب لوٹنے آئے تھے۔ لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰؐ مجھ سے فرماتے ہیں:

"تمھیں اس قافلے کو لوٹنے کا کوئی حق نہیں یہ سب لوگ میرے بیٹے جعفرؑ کی پناہ میں ہیں۔ اگر تمھیں ان کے پاس جانا ہی ہے تو ان کی حفاظت اور

نگہبانی کے لیے جاؤ۔ اور اب میں آپؑ کی حفاظت کے لیے آیا ہوں!"

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا:

"ہمیں تمھاری حفاظت اور نگہبانی کی ضرورت نہیں ہے۔ جس خدا نے تمھارے شر سے ہمیں محفوظ رکھا ہے وہ ہمیں دوسرے خطرات سے بھی محفوظ ہی رکھے گا!"

بالآخر وہ قافلہ بخیر و عافیت اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اور اہل قافلہ نے اپنے مال کا تیسرا حصّہ راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔ خداوندِ تبارکؑ و تعالیٰ نے ان کے مال میں اتنی برکت دی کہ نہ صرف یہ کہ جو کچھ انھوں نے راہ خدا میں خرچ کیا تھا وہ کمی پوری ہوئی بلکہ اس سے کہیں زیادہ ان کے مال و دولت میں اضافہ ہو گیا اور وہ کہنے لگے:

"امام جعفر صادق علیہ السّلام کے فیوض و برکات کتنے زیادہ ہیں!"

حضرت فاطمہ زہراؑ کی جانب سے تحفہ

حاجی نوری کتاب "کلمۂ طیبہ" میں پہلے سیّد حیدر اعلی اللہ مقامہٗ کی زوجۂ محترمہ کی عظمت و جلالت یوں تحریر فرماتے ہیں:

یہ معظمہ بڑی عمدہ صفات کی حامل تھیں۔ ان کی عادتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ کبھی ماہِ رجب و شعبان کا روزہ نہیں چھوڑتی تھیں۔ سید بزرگوار کے ہاں اکثر مہمان آتے رہتے تھے اور یہ علوی سیدانی عمر رسیدہ ہو جانے کے باوجود روزے کی حالت میں ان کی مہمان نوازی کیا کرتی تھیں۔

ایک دن ان معظمہؒ نے مہمانوں کو کھانا کھلایا اور تھوڑا سا کھانا اپنے لیے سحر و افطار کے واسطے بچا کر رکھا ہوا تھا۔ افطار سے پہلے ایک سائل نے آکر سوال کیا تو انھوں نے اپنے حصّے کا کھانا اس کے حوالے کر دیا اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا۔

رات یوں ہی گزر گئی۔ سحر کے وقت نمازِ شب سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے تھوڑا سا پانی پیا اور اسی ضعف و ناتوانی کی حالت میں روزے کی نیّت کر لی۔

ابھی یہ خواب اور بیداری کی کیفیت سے گزر رہی تھیں کہ انھوں

نے دیکھا شہزادیٔ کونینؑ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تشریف لائی ہیں اور فرماتی ہیں :

"میری بیٹی! خود کو اتنی تکلیف کیوں دیتی ہو؟"

انھوں نے جواب دیا :

"میں نے کچھ بھی تو نہیں کیا ہے، بس اپنا کھانا سائل کو دے دیا ہے۔"

شہزادیٔ کونینؑ نے فرمایا :

"تم بوڑھی ہو چکی ہو! اور اب بغیر سحری کے روزہ نہیں رکھ سکتیں۔ بتاؤ کیا کھانا چاہتی ہو؟"

انھوں نے کہا :

"تھوڑی سی شکر اور آلو بخارا!"

بی بی فاطمہؑ نے مصری کے دو تھیلے عنایت فرما دیے اور نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ علوی سیدانی نے ان کے تعاقب میں اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کی لیکن وہ انھیں پانے سے قاصر رہیں۔

جب سید حیدر ان کے پاس آئے تو انھوں نے اپنے شوہر سے سارا ماجرا بیان کیا۔ سید حیدر نے کہا :

"ان دونوں تھیلوں کی قدر و قیمت اور اہمیت کو اچھی طرح سمجھو۔ یہ کوئی معمولی تحفہ نہیں ہے۔"

سچ بھی یہی تھا کہ اس دن کے بعد جس بیمار کو بھی وہ مصری کھلائی گئی وہ صحت مند ہو گیا۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے اس تحفے سے صحت حاصل کرنے والوں میں شیخ زین العابدین بھی شامل ہیں جو کہ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہو چکے

تھے۔ اور ان کے علاوہ بغداد میں رہنے والے ہندوستان کے ایک نواب کو بھی اسی تحفے کے ذریعے شفا نصیب ہوئی۔

آہستہ آہستہ یہ بات مشہور ہوتی چلی گئی اور ایران، ہندوستان اور دوسرے ممالک سے بھی لوگوں نے رجوع کیا اور ان سید بزرگوار کی خدمت میں پہنچ کر اس مصری سے شفا حاصل کی۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ مصری کے یہ دونوں تھیلے بہت چھوٹے تھے۔ لیکن پھر بھی اتنا زیادہ تقسیم کرنے کے باوجود جتنے تھے اتنے ہی رہے اور ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی!

ایک روز علوی سیدانی نے کہا :

"حیرت ہے آخر ان تھیلوں میں کوئی کمی واقع کیوں نہیں ہوتی؟"

پھر اس دن کے بعد ان تھیلوں میں کمی واقع ہونے لگی اور ساری مصری ختم ہو گئی لیکن دونوں تھیلے اب بھی موجود تھے۔

سید حیدر نے کہا :

"ان دونوں تھیلوں کو سنبھال کر رکھو۔ ان میں سے ایک تھیلا میرے کفن میں رکھنے کے لیے اور دوسرا تھیلا خود تمھارے لیے۔"

اس کے بعد معلوم نہیں کیا ہوا کہ وہ دونوں تھیلے بھی غائب ہو گئے!

ایک دیہاتی اور چور

صحرا میں زندگی بسر کرنے والا ایک اعرابی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مسجد الحرام کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا مقصد خانۂ کعبہ کا طواف کرنا تھا۔

خانۂ کعبہ کے دروازے پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس کے حوالے وہ اپنا اونٹ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے اونٹ کے پاؤں رسّی سے باندھے اور یوں گویا ہوا:

"اے خانۂ کعبہ کے مالک! میں اپنا اونٹ تیرے حوالے کرتا ہوں!"

اس اعرابی نے دل کی گہرائی سے یہ جملہ ادا کیا اور مسجد الحرام میں داخل ہوا۔ اور خانۂ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے میں مشغول ہوگیا ——!

ادھر ایک مکّار چور چھپا ہوا تھا۔ موقع پاتے ہی اس نے اونٹ کے پاؤں کی رسّی کھولی اور لے کر فرار ہوگیا۔

طواف اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اعرابی مسجد الحرام سے باہر آیا تو وہاں اونٹ موجود نہیں تھا۔ اس کا کُل سرمایہ یہی تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اس کا اونٹ چوری ہوگیا ہے۔ اس نے کسی قسم کی فریاد و فغاں

نہیں کی بلکہ واپس لوٹ کر خانۂ کعبہ کا پردہ ہاتھوں میں تھام کر کہا:

"پروردگارا! کیا میں نے اپنا اُونٹ تیرے حوالے نہیں کیا تھا؟ پھر آخر وہ چوری کیسے ہوگیا؟!"

اس اعرابی کو خدا کی قدرت پر کتنا یقین تھا کہ اس نے اس طرح کے الفاظ زبان سے ادا کیے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اس نے اور بھی بہت سی باتیں کہیں جو ایک اعرابی کے مُنہ سے ہی اچھی لگتی ہیں اور دوسروں کا اس طرح کہنا مناسب نہیں۔ مثلاً اس اعرابی نے یہ بھی کہا:

"خداوندا! یہ اونٹ تیری جیب سے گیا ہے۔ لے جانے والے نے مجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ اس چور نے تیری عزّت کو داغ دار کیا ہے! کیونکہ میں نے اپنا اونٹ تیرے حوالے کر دیا تھا!"

یہ باتیں اس اعرابی نے قلبی ایمان کے ساتھ کہیں۔ حالانکہ وہ ایک ان پڑھ اور عام سا صحرا میں رہنے والا آدمی تھا۔

خداوندِ عالم سے مخاطب ہو کر اعرابی نے ابھی یہ باتیں ختم ہی کی تھیں کہ دور سے ایک شخص اس کے اونٹ کے ساتھ آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا ایک ہاتھ کٹا ہوا تھا اور اس نے اپنے دوسرے ہاتھ سے اُونٹ کی رسّی تھام رکھی تھی۔ اعرابی نے اس سے کہا:

"تُو میرا اُونٹ چُرا کر لے گیا تھا؟"

اس نے پوچھا:

"کیا یہ تمھارا اُونٹ ہے؟"

اعرابی نے کہا:

"ہاں ——!"

چور نے کہا:

" لو، اسے سنبھالو! جب میں یہ اُونٹ چُرا کر صفا و مروہ کے درمیان سے گزر رہا تھا تو پہاڑ کے قریب سے ایک بزرگ شخص نے مجھے ڈانٹ کر کہا:

" تمھیں شرم نہیں آتی، مسجد الحرام کے پاس، حرم کے اندر لوگوں کا مال چراتے ہو۔ اپنا ہاتھ بڑھاؤ!"

میں نے بے اختیار اپنا ہاتھ آگے کر دیا اور انھوں نے میرا ہاتھ کاٹ دیا اور مجھے حکم دیا:

" تم خود لے جا کر یہ اُونٹ اس کے مالک پہنچاؤ!"

اس طرح یہ بدقسمت چور، ذلیل و رسوا ہو کر اونٹ لے آیا اور وہ اعرابی خوشی خوشی اس پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اس قسم کا خدا پر توکل ایمان کامل کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔

———— ☼ ————

حضرت مریمؑ کی آرزو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ حضرت مریمؑ کے ساتھ بیابان میں سے گزر رہے تھے۔ ان کی زیادہ تر غذا کا دار و مدار صحرا میں موجود درختوں پر لگے ہوئے پھلوں پر تھا۔ لبنان کے پہاڑی سلسلے سے گزرتے ہوئے ایک مقام پر حضرت عیسیٰؑ نے اپنی والدہ کو ایک جگہ چھوڑا اور خود افطار کے لیے غذا کی تلاش میں نکل گئے۔ اسی اثنا میں جناب مریمؑ کی موت کا وقت آ پہنچا۔

جب حضرت عیسیٰؑ واپس آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ماں زمین پر لیٹی ہوئی ہیں۔ پہلے انھوں نے خیال کیا کہ سو رہی ہیں لیکن بعد میں سمجھ گئے کہ وہ اس دنیا سے اُٹھ گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس موقع پر حضرت عیسیٰؑ بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے شدید گریہ کیا۔ چنانچہ اس وقت ان کی والدہ کی روح کا جسم سے تعلق پیدا ہوا اور حضرت مریمؑ نے اپنے بیٹے کو تسلی دی۔

حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا:

" کیا آپؑ کوئی آرزو رکھتی ہیں؟"

حضرت مریمؑ نے جواب دیا: " ہاں! میری آرزو ہے کہ میں اس دنیا میں واپس لوٹ جاؤں تاکہ رات کی تاریکی میں خانۂ خدا میں عبادت کروں۔"

بھوک شکم سیری سے بہتر ہے

تین آدمی باہر سے شہر مدینہ میں داخل ہوئے۔ رات کا وقت تھا۔ یہ تینوں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتے تھے۔ لیکن کچھ سوچ کر آپس میں کہنے لگے:

اگر ہم تینوں پیغمبرِ اکرمؐ کی خدمت میں چلے جائیں تو ممکن ہے رات کے وقت انھیں زحمت ہو لہٰذا ہمیں مختلف مقامات پر جاکر ٹھہرنا چاہیئے!

ایک نے کہا:

"میں پیغمبرِ اکرمؐ کے گھر جاؤں گا!"

دوسرے نے کہا:

"میں علیؑ مرتضیٰؑ کے گھر جاؤں گا!"

تیسرے نے کہا:

"میں مسجد جاکر اللہ کا مہمان بنوں گا!"

دوسرے دن یہ تینوں مسجد میں جمع ہوئے اور ہر ایک نے اپنے ساتھ پیش آنے والی صورتِ حال بیان کی۔

پیغمبرِ اکرمؐ کے گھر جانے والے مہمان نے کہا:

"نبی کریمؐ نے مجھے اپنی خوراک میں شریک کیا اور میں ان کے ساتھ دودھ کی صورت میں موجود غذا کھاکر سیر ہوگیا اور رات بھر آرام سے سویا۔"

دوسرے نے بھی یہی بتایا کہ میں علیؑ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا اور شکم سیر ہوکر سوگیا!

تیسرے نے کہا:

"میں رات بھر بھوکا رہا اور ٹھیک طرح سے سو بھی نہ سکا!"

پیغمبر اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی کہ ہمارے مہمان سے کہہ دو:

"اگر شکم سیری، بھوک سے بہتر ہوتی تو ہم تمھاری مہمان نوازی کرتے!"

یہ خیال مت کیجیے کہ پیٹ بھر کھلانے کا نام ہی مہمان نوازی ہے۔ جب پیٹ بھر جاتا ہے تو اس سے جسم اور روح دونوں زحمت میں پڑجاتے ہیں اور انسان کی طبیعت بوجھل ہوجاتی ہے۔ وہ اپنی موت کو بھلا بیٹھتا ہے اور اس کا دل خضوع وخشوع سے خالی ہوجاتا ہے اور اسے دوسروں کے رنج وغم کا احساس نہیں رہتا۔ جو بھی خیر وبرکت اور عافیت ورحمت ہے وہ بھوک اور کم غذا کھانے میں ہے۔

بسم اللہ کی برکت

جناب سید مرتضیٰ کا شمار ایسے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے جنھوں نے مذہبِ حق کو حیاتِ نو بخشی۔ یہ عالمِ بزرگوار کاظمین کے قریب "کرخ" نامی محلے میں رہا کرتے تھے اور اپنے گھر پر ہی درس دیا کرتے تھے۔

ان کے شاگردوں میں سے ایک سید شاگرد کافی دور سے درس کے لیے آتا تھا۔ وہ بغداد میں رہتا تھا اور اسے اپنے استاد تک پہنچنے کے لیے دریائے دجلہ عبور کرنا پڑتا تھا۔ اس جگہ دریا پر کوئی پُل موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اسے کشتی کے انتظار میں رُکنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بعض اوقات وہ اس وقت پہنچتا تھا جب آدھا درس ہوچکا ہوتا تھا اور کبھی کبھی تو وہ اس وقت پہنچتا تھا جب درس ختم ہو رہا ہوتا تھا۔

ایک دن اس نے اپنے استاد سے ساری صورتحال بیان کی اور اس کا حل طلب کیا۔

سید مرتضیٰ نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر قلم اٹھا کر کچھ لکھ کر کاغذ لپیٹتے ہوئے فرمایا:

"کل سے جب تم دریا کے کنارے پہنچو تو یہ کاغذ اپنے پاس رکھنا اور اگر

اگر کوئی کشتی موجود نہ ہو تو پانی پر چلتے ہوئے آجانا۔"

شاگرد نے ایسا ہی کیا اور دوسرے دن پانی پر چلتا ہوا بروقت درس کے لیے پہنچ گیا۔ البتہ اس کے بعد والی صبح پانی پر چلنے سے پہلے اس نے سوچا کہ واقعاً یہ بڑی حیرت کی بات ہے دیکھوں تو سہی سید بزرگوار نے اس کاغذ پر کیا لکھ دیا ہے جس کی وجہ سے اتنا حیرت انگیز اثر ظاہر ہو رہا ہے!

پھر اس نے کاغذ کھول کر دیکھا تو اس پر صرف یہ لکھا تھا:

"بسم اللہِ الرحمٰنِ الرحیم۔"

یہ پڑھ کر وہ اپنے آپ سے کہنے لگا:

"حیرت کی بات ہے اس پر صرف بسم اللہ ہی لکھا ہے!"

اس نے خیال کیا کہ بسم اللہ تو کوئی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہے لہٰذا اب جب اس نے دریا سے گزرنے کے لیے اپنا پاؤں پانی میں ڈالا تو وہ اندر ہی اُترتا چلا گیا۔ اس نے فوراً ہی خود کو پانی سے باہر نکالا اور ہمیشہ کی طرح کشتی کا انتظار کرنے لگا!

اس صورتِ حال سے اس پر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ بسم اللہ کو معمولی سمجھنے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ اچھی طرح جان لینا چاہیے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کو معمولی سمجھنے کی وجہ سے ان کا اثر کم ہو جاتا ہے!

—※—

مقامِ علیؑ کی قسم!

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک جن کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں آرہا ہے، سمندر کا طولانی سفر طے کر کے مدینہ پہنچے انھوں نے چھٹے امامؑ کی خدمت میں پہنچ کر بیان کیا:

"مولاؑ! اس سفر میں، میں نے بڑا حیرت انگیز منظر دیکھا۔ سمندر کے بیچوں بیچ ایک شخص پانی پر کھڑا اپنے ہاتھوں کو بلند کیے ہوئے کہہ رہا تھا:

"خداوندا! قیامت کے دن تو مجھے آتشِ جہنم میں
ڈال کر اپنی قسم پوری کرے گا۔ میں تجھے مقامِ علیؑ
ابن ابی طالبؑ کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے اس وقت
نجات عطا فرما!"

جب میں نے یہ سُنا تو مجھے خیال آیا کہ یہ شخص بلند مقام و مرتبے پر فائز ہے۔ چنانچہ میں نے اسے پکار کر کہا:

"اے عبدِ صالح! تجھے حق تعالیٰ کی قسم! بتا تو سہی کہ تُو کون ہے اور یہ تُو نے کیسی قسم دی ہے؟!"

اس نے جواب دیا:

"میں ابلیس ہوں!"

میں نے کہا:

"تم خدا کو علی کی قسم کیوں دے رہے ہو؟"

اس نے کہا:

"میں عالمِ بالا کے تمام علوم کو جانتا ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ خداوند عالم کی بارگاہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ سے بڑھ کر کوئی اور مقام و مرتبے پر فائز نہیں ہے!"

ممکن ہے ابلیس سے زیادہ کوئی اور شخص علیؑ کے مقام و مرتبے کو نہ پہچانتا ہو اور اس پہچان ہی کی وجہ سے اس نے خدا کو علیؑ کے مقام اور عزت کی قسم دی تھی!

ابلیس کہتا ہے کہ میں آدمؑ سے ہزاروں سال پہلے اس دنیا میں موجود تھا اور میرے پاس کافی تجربہ ہے لہٰذا میں خدا کو علیؑ کی قسم دے رہا ہوں!

امامؑ کے صحابی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا:

"تجھے علیؑ کے حق کی قسم! مجھے نصیحت کر!"

وہ موقع کہ جب شیطان نے اپنی شیطنت چھوڑ کر سچی بات کہی یہی ہے۔ اس نے دو باتیں بتائیں۔ ایک دنیا کے بارے میں اور دوسرے آخرت کے بارے میں ہے۔ یہ دونوں باتیں بہت مختصر ہونے کے باوجود حقیقت پر مبنی ہیں۔ پہلی یہ کہ:

"استعن لدنیاك بالقناعة۔"

یعنی اگر دنیا کی خوشی چاہتے ہو تو قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرو اور لالچ مت کرو۔ ورنہ اپنے لیے آگ کا سامان مہیا کر لو گے۔ انسان کی ناراحتی

اور پریشانی کا بنیادی سبب لالچ ہے۔ قناعت میں آرام وسکون ہے۔ لہٰذا
اس بارے میں حیل وحجت مت کرو۔

روایت میں ہے کہ جب دسترخوان پر روٹی اور نمک رکھ دیا جائے تو
دوسری غذاؤں کا انتظار مت کرو۔ یعنی قناعت کرو۔ یہ مت کہو کہ یہاں تو کچھ
بھی موجود نہیں ہے، دسترخوان پر دوسرے کھانے کیوں نہیں لائے جاتے؟

رسول اللہؐ کے چچا کی بیٹی جنابِ صفیہ نے ایک مرتبہ جب پیغمبر اکرمؐ
کے لیے تھوڑی سی جو کی روٹی اور معمولی سا سرکہ اور زیتون پیش کیا اور ساتھ ہی
معذرت بھی کی تو آپؐ نے فرمایا:

"یہ تم نے میرے لیے پیغمبروں کی غذا پیش کی ہے اور اس سے بڑھ کر
کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی، یہ تو انبیاء کی نورانی غذا ہے۔"

دوسری بات جو آخرت کے بارے میں ہے وہ یہ ہے کہ:

"واستعن لاخرتك بحب علیؑ ابن ابی طالبؑ۔"

یعنی علیؑ ابن ابی طالبؑ کی محبت کے ذریعے اپنی آخرت سنوار لو
اور ساری چیزوں سے بے نیاز ہو جاؤ۔

برزخ اور قیامت کے بادشاہ علیؑ ہیں۔ جو شخص بھی دل کی گہرائی
سے علیؑ کا ہو جائے اس کی تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ مشکل کشا علیؑ ہیں،
یداللہ الباسطہ علیؑ ہیں۔

امامؑ کے اس صحابی نے ابلیس کی یہ دونوں باتیں امام جعفر صادقؑ کے
سامنے بیان کیں تو آپؑ نے فرمایا:

"اس ملعون نے وہی کچھ کہا جو وہ جانتا ہے لیکن اسے دل
سے قبول نہیں کرتا!"

"علیؑ کو اچھی طرح پہچانتا ہے لیکن ان کی اطاعت نہیں کرتا!"

اور ــــــــ

"خدا کو بھی اچھی طرح پہچانتا ہے لیکن حق کو قبول نہیں
کرتا ہے ــــــ!"

ــــــــ ٭ ــــــــ

ولایتِ علیؑ قبول نہ کرنے کا انجام

واقعۂ غدیرِ خُم کے بعد ایک عرب شخص نے خاتم الانبیاءؐ کے قریب آ کر کہا:

"یارسول اللہؐ! آپؐ نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا، ہم نے نماز پڑھی آپؐ نے روزہ رکھنے کے لیے کہا، ہم نے روزہ رکھا۔ آپؐ نے زکوٰۃ کے لیے فرمایا تو ہم نے زکوٰۃ ادا کی۔ آپؐ نے حج کے لیے حکم دیا تو ہم نے حج کیا اور جہاد کرنے کو کہا تو ہم نے جہاد کیا!

اب یہ آپؐ نے کیا کیا کہ علیؑ کو اپنا جانشین معیّن کر دیا؟! ایسا آپؐ نے خود کیا ہے یا خدا کی طرف سے ہے؟"

روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ معاذ اللہ آنحضرتؐ نے ولایتِ علیؑ کا یہ اعلان گویا کہ اپنی ذاتی خواہش کے زیرِ اثر کیا ہو!

پھر اس عرب شخص نے اپنا سر آسمان کی جانب بلند کر کے بھری مجلس میں کہا:

"خداوندا!

اگر ولایتِ علیؑ کا یہ اعلان تیری طرف سے برحق ہے تو میں اسے

قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں! لہٰذا آسمان سے عذاب نازل کر کے مجھے ہلاک کر دے!"

اس شخص کا یہ کہنا تھا کہ فوراً ہی آسمان سے ایک کنکری آئی اور اس کے سر کو پھاڑتی ہوئی اسے جہنّم تک پہنچا دیا!

ایک وزیر کا جنازہ

حضرت موسیٰ کاظمؑ کے حرم میں

خلفاء بنی عباس میں سے کسی خلیفہ کا ایک وزیر اپنے خلیفہ کے نزدیک بڑی قدر و منزلت رکھتا تھا۔ سچ پوچھا جائے تو یہ وزیر خلیفہ کی خلافت کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اس وزیر کی ذہانت اور ہوشیاری نے خلیفہ کو دشمنوں سے بچا رکھا تھا اور اس طرح حکومت کو استحکام حاصل تھا۔

مختصر یہ کہ وہ وزیر کسی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ عباسی خلیفہ نے اپنے اس وزیراعظم کو اس کی خدمات کے عوض حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حرم میں دفن کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اس کی میت ساتویں امامؑ کے حرم میں لا کر دفن کر دی گئی۔

اس زمانے میں حرم کا متولی ایک متقی اور پرہیزگار سید تھا۔ یہ روضے کے احاطے میں موجود ایک کمرے میں رہا کرتا تھا۔

آدھی رات کے وقت حرم کے اس متولی نے خواب دیکھا کہ حرم دھوئیں سے بھر گیا ہے اور کسی چیز کے جلنے کی بدبو پھیل رہی ہے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

متولی کو حکم دیتے ہوئے فرما رہے ہیں:

"خلیفہ سے جا کر کہو کہ یہ تم نے میرے ساتھ کیسی خیانت کی ہے اور کس قسم کے شخص کو میرا پڑوسی بنا دیا ہے۔"

ساتھ ہی امامؑ نے متولی سے یہ بھی فرمایا:

"ذرا سامنے دیکھو!"

متولی نے دیکھا تو پتہ چلا کہ اس وزیر کا لاشہ جل رہا ہے اور اس سے دھواں اُٹھ رہا ہے۔

متولی بیان کرتے ہیں:

یہ خواب دیکھ کر میں تیزی سے اٹھا اور جا کر حرم کا دروازہ کھول دیا۔ وہاں دھواں ہی دھواں تھا اور میری آنکھیں ٹھیک طرح سے دیکھ نہیں پا رہی تھیں اور حرم میں ہر طرف بدبو پھیلی ہوئی تھی!

یہ صورت حال دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ میرا خواب سچا ہے اور اس کا اثر ظاہر ہو رہا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ صبح سویرے ہی میں بغداد پہنچ گیا۔ خلیفہ کے محل پہنچنے کے بعد میں نے پیغام دیا کہ خلیفہ سے کہو کہ کاظمین کا متولی تمھارے لیے بہت اہم پیغام لے کر آیا ہے۔

مختصر یہ کہ میں نے خلیفہ سے کہا:

"کیونکہ امامؑ نے مجھے حکم دیا ہے لہٰذا میں یہ سب کہنے پر مجبور ہوں۔"

اس کے بعد میں نے اپنا سارا خواب اور پورا واقعہ بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ امامؑ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ خلیفہ سے جا کر کہو:

"تم نے میرے ساتھ کیسی خیانت کی ہے اور کس قسم کے شخص کو میرا

پڑوسی بنا دیا ہے۔"

متولیٔ حرم نے سارا ماجرا خلیفہ سے بیان کرنے کے بعد یہ کہا کہ میں نے خود حرم میں دھواں دیکھا ہے اور بدبو محسوس کی ہے اور اب تم خود بہتر سمجھتے ہو کہ تمھیں کیا کرنا چاہیے!

خلیفہ سمجھ گیا کہ اس نے جو خیانت کی ہے اس سے اسے خود بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے متولی سے کہا:

"کسی کو کچھ نہ بتانا! رات کے آخری حصے میں کچھ مزدور کام کرنے کے لیے تیار رکھو، میں خود آؤں گا اور اس وزیر کی میت کو وہاں سے نکال کر ہم دوسری جگہ دفن کر دیں گے!"

وعدے کے مطابق خلیفہ آیا۔ قبر کھودی گئی تو وہاں سوائے ایک مٹھی بھر خاک کے اور کچھ نہیں تھا! لہٰذا اس خاک کو اٹھا کر حرم سے باہر نکال دیا گیا ——— !

———

حیوانات جانتے ہیں کہ خُدا ہے

مالک دینار بیان کرتے ہیں:

میں نے صحرا میں ایک ہرن دیکھا۔ وہ پیاسا تھا اور پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ لیکن کہیں کوئی پانی اسے میسّر نہیں آرہا تھا۔ وہ ہرن مختلف نشیبی مقامات میں پانی تلاش کرتا ہوا آخرکار ایک کنوئیں کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن اس کنوئیں کا پانی کافی نیچے تھا۔

یہ بے زبان جانور وہیں آکر رک گیا۔ اس کی آخری اُمید اسی پانی سے وابستہ تھی۔ پھر اچانک اس نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ پانی پی رہا ہے۔ میں نے قریب جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس جانور کے لیے کنوئیں کا پانی اوپر آچکا ہے۔ میں نے چاہا کہ اپنے لیے بھی کنوئیں سے پانی نکال لوں تو وہ دوبارہ نیچے چلا گیا!

معلوم ہوتا ہے کہ مالک دینار کے پاس کنوئیں سے پانی نکالنے کے لیے رسی اور ڈول وغیرہ رہا ہوگا اور اس نے اس کی مدد سے پانی نکال کر اپنی پیاس بجھا لی ہوگی۔ لیکن بے چارے ہرن کے پاس کوئی ایسا ذریعہ موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اس نے اضطرار اور پریشانی کے عالم میں خدا کو وسیلہ قرار دیا۔

ماں کی دُعا سے زندگی مل گئی

آقائے مرزا محمود شیرازی نے بارہا میرے سامنے شیخ محمد حسین کی تعریف کی ہے۔ شیخ محمد حسین قبر سے فرار اختیار کرنے والے کے حوالے سے مشہور ہیں۔ اس لقب کی وجہ وہ خود یوں بیان کرتے ہیں:

قمشہ نامی مقام پر میں اپنے بچپن میں شدید بیمار پڑا۔ یہاں تک کہ مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ میری ماں نے جب یہ دیکھا کہ میرا اکلوتا بیٹا مر رہا ہے تو وہ چھت پر چلی گئی اور سر برہنہ ہو کر خدا سے نالہ و فریاد کرتے ہوئے کہا:

"خداوندا! میں ہوں اور میرا ایک یہی بیٹا ہے، اسے مجھ سے مت چھین اور میرے پاس واپس لوٹا دے!"

ماں نے اپنے بیٹے کے لیے اتنی گڑگڑا کر دعا کی کہ خود شیخ محمد حسین نے بلند آواز سے کہا:

"امّی جان! واپس نیچے آجائیے۔ مجھے دو مرتبہ لوٹایا جا چکا ہے!"

اس طرح بچے کو ماں کی دعا سے دوبارہ زندگی مل گئی!

ہرنی پر رحم کرنے سے سلطنت مِل گئی

سبکتگین عام سا معمولی کام کاج کر کے گزر بسر کیا کرتا تھا اور پھر بادشاہ بن گیا!

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ اپنی غذا کا بندوبست کرنے کے لیے شکار پر نکلا اور اس نے ہرن کے ایک بچے کو زندہ پکڑ لیا۔ ہرنی کا وہ بچہ لے کر جب وہ شہر آنے لگا تو ہرنی اپنے بچے کو بڑی حسرت سے دیکھتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے آنے لگی۔ سبکتگین کو اس پر بڑا رحم آیا اور اس نے ہرنی کا بچہ چھوڑتے ہوئے کہا:

"آج رات میں بھوکا رہ جاؤں گا تاکہ اس حیوان کا دل خوش رہے!"

پھر اسی رات اس نے خواب دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے فرما رہے ہیں:

"تم نے اس حیوان پر رحم کیا ہے، خدائے تعالیٰ تجھے اور تیرے خاندان کو سلطنت عطا کرے گا اور تم رحم کرنے کے اس عمل کو نہ چھوڑنا۔

اس کے برعکس ایک مرتبہ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے یوسفؑ سے ملنے مصر پہنچے۔ حضرت یوسفؑ نے تمام درباریوں کو استقبال کے لیے روانہ

کیا البتہ اپنے شاہی رسم و رواج کی وجہ سے گھوڑے سے اُتر کر اپنے باپ کا احترام نہیں کر سکے!

ایسا حضرت یوسفؑ نے کسی ہوا و ہوس اور غرور و تکبّر کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ یہ صرف حکومت کی سطح کا ایک اقدام تھا جسے ترکِ اولیٰ کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اس معمولی سی چُوک ہونے کی وجہ سے جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور حضرت یوسفؑ سے کہا:

"یوسفؑ! اپنا ہاتھ کھولو!"

جب حضرت یوسفؑ نے ہاتھ کھولا تو ان کے ہاتھ کا نور غائب ہو گیا!

حضرت یوسفؑ نے جبرئیل سے پوچھا:

"یہ کیسا نور تھا؟"

جبرئیلؑ نے بتایا:

"یہ نورِ نبوّت تھا، تم نے اپنے بوڑھے باپ کا اُتر کر استقبال نہیں کیا لہٰذا یہ نورِ نبوّت تمہارے صلب سے خارج ہو گیا۔"

اس کے بعد یہ نورِ نبوّت حضرت یوسفؑ کے اس بھائی کے پاس آ گیا جو اپنے والد حضرت یعقوبؑ کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے!

پھلوں کی تباہی کا راز

گزشتہ علماء بزرگ میں سے ایک عالم کے رشتہ دار بیان کرتے ہیں:

کوئی ساٹھ سال پہلے سردیوں کے موسم میں عجیب طرح کی زہریلی ہوائیں چلیں جن سے درخت سوکھ کر کچھ اس طرح تباہ و برباد ہو گئے کہ ان پر کوئی بھی پھل باقی نہ بچا!

اسی زمانے میں ایک شخص کے گھر پر آڑو کا درخت لگا ہوا تھا۔ وہ اپنے اس درخت کو بہت چاہتا تھا چنانچہ اس نے اس درخت کے چاروں طرف موٹے موٹے کپڑے لگا دیے اور درخت کو اچھی طرح چھپا دیا۔ تاکہ زہریلی ہوائیں اس پر اثر انداز نہ ہوں اور یہ درخت خشک نہ ہونے پائے۔

اس سال تمام کے تمام باغ سوکھ کر ویران ہو چکے تھے لیکن اس شخص کی کوششوں کے نتیجے میں آڑو کا وہ درخت ہوا کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہا اور اس پر پھل بھی لگے۔

کیونکہ دوسرے درختوں سے کوئی پھل حاصل نہیں ہوا تھا لہٰذا ان پھلوں کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ درخت پھلوں کی کچھ مقدار اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بطور تحفہ پیش کی۔

جس شخص نے بھی اس درخت کا پھل کھایا وہ مہلک بیماری اور وبأ
کا شکار ہو کر مر گیا!

اس وقت معلوم ہوا کہ موسم سرما میں ان زہریلی ہواؤں کے چلنے
اور درختوں کے پھلوں کی تباہی کا کیا راز تھا۔ درختوں کی یہ تباہی بغیر کسی
مصلحت کے نہیں تھی بلکہ درحقیقت تھوڑا سا نقصان پہنچا کر کسی بڑے نقصان
سے بچانا مقصود تھا!

صدقے سے دُلہن کی موت ٹل گئی

اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اپنے حواریوں کے ساتھ جا رہے
تھے کہ آپؑ کا گزر ایک ایسے گھر کے سامنے سے ہوا جہاں سے ڈھول بجانے کی
آوازیں آ رہی تھیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا:
"یہاں آج کی رات شادی کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں لیکن کل
یہ خوشی کی محفل غم میں بدل جائے گی۔ کیوں کہ آج ہی رات دلہن کی موت
واقع ہو جائے گی!"

یہ رات گزر گئی اور دوسری صبح حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواریوں
کی اسی راستے سے واپسی ہوئی۔ لیکن اس گھر سے کسی قسم کے رونے پیٹنے کی
آواز نہیں سُنائی دے رہی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے گھر والوں
سے معلوم کیا:

"کیا کل رات کوئی سانحہ پیش آیا ہے؟"

گھر والوں نے جواب دیا:

"نہیں ـــــ!"

حضرت عیسیٰؑ نے گھر کے مالک سے اجازت طلب کی اور دلہن

کے کمرے میں داخل ہوئے۔ دلہن کا بستر پلٹا تو اس کے نیچے ایک بہت بڑا ناگ چھپا ہوا تھا! دراصل اسی ناگ کو پچھلی رات، دلہن کو ڈس لینے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن سانپ نے دلہن کو نہیں ڈسا تھا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے دلہن سے دریافت فرمایا:

"گزشتہ رات تم نے کیا کیا تھا؟"

دلہن نے جواب دیا:

"جس وقت میرے لیے رات کا کھانا لایا گیا تو اسی وقت ایک سائل نے آکر دروازے پر دستک دی اور مدد کا سوال کیا۔ گھر میں لوگوں کا کافی ہجوم تھا اور کسی نے بھی سائل کی آواز پر توجہ نہ دی۔ چنانچہ میں نے خود اپنا کھانا لے جاکر سائل کو دے دیا!"

یہ وہی صدقہ تھا جس کی وجہ سے دلہن کی آئی ہوئی مَوت ٹل گئی!

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صدقہ دینے کی برکت سے ناگہانی بلائیں اور مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے کے اس عمل کے عوض اس پر فضل وکرم فرما دیتا ہے!

بادشاہ اپنے خزانے میں بھوکا مَر گیا

ایک عجیب وغریب واقعہ مجھے یاد آگیا۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے اسے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔ یہ واقعہ کچھ یوں ہے:

بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ جواہرات کا بے حد عاشق تھا۔ جہاں کہیں بھی کسی موتی کی بابت اسے معلوم ہوتا۔ وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کر لیا کرتا تھا۔ اس طرح اس کے پاس بہت سے جواہرات جمع ہو گئے تھے۔ وہ اپنے جواہرات کو ایک مخصوص خزانے میں رکھتا تھا۔

جواہرات کے اس خزانے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ اور اس میں دو تالے تھے۔ ایک تالا باہر کی طرف اور دوسرا اندر کی جانب۔ ان دونوں تالوں کی صرف دو مخصوص چابیاں تھیں اور وہ بادشاہ ہی کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ بادشاہ ہفتے میں ایک دن اپنا تمام کام کاج چھوڑ کر جواہرات کے خزانے میں جایا کرتا تھا۔ وہ وہاں اپنے جواہرات کو اچھی طرح دیکھتا اور خوب ترتیب سے اِدھر اُدھر جمع کر کے رکھتا تھا۔ اسے ایسا کر کے بڑی خوشی ہوتی تھی۔

بادشاہ ہمیشہ تنہا ہی اپنے اس خزانے میں دونوں چابیاں لے کر جاتا تھا۔ ایک مرتبہ خلاف معمول وہ ہفتے کے درمیان ہی میں اپنے جواہرات کا

جائزہ لینے خزانے میں چلا گیا اور انھیں دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔ لیکن جب باہر نکلنے کے لیے اس نے جیب سے چابی نکالنی چاہی تو وہ موجود نہیں تھی ! دراصل باہر نکلنے کے سلسلے میں کام آنے والی چابی وہ جیب میں رکھنا بھول گیا تھا !

بادشاہ خزانے کے ایک کونے میں کھڑا چیخ پکار کرتا رہا۔ لیکن کسی نے بھی اس کی آواز نہیں سُنی۔ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کا بادشاہ کس قید میں پھنس گیا ہے۔ بالآخر خزانے میں موجود جواہرات کو حسرت سے دیکھتے ہوئے بادشاہ نے بھوک پیاس سے نڈھال ہو کر اپنی زندگی کی آخری سانس لی۔

اس واقعہ کے چند روز بعد دربار کے وزیروں کو فکر لاحق ہوئی کہ بادشاہ اچانک کہاں غائب ہو گیا۔ پھر انھیں یہ خیال آیا کہ کہیں بادشاہ اپنے خزانے میں پھنس کر تو نہیں رہ گیا ہے۔ چنانچہ جواہرات کے اس خزانے کے دروازے کو توڑا گیا تو بادشاہ کی لاش سے بدبو اٹھ رہی تھی !

مجھے اور آپ سب کو ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ خدانخواستہ ہمارے اوپر بھی مال و دولت کی چاہت کا بھوت نہ سوار ہو جائے۔

اے خدا ! تو ہی ہمیں ایسی خواہشات سے محفوظ فرما !

مستحب حج کے بدلے صدقہ

حاجی نوری کتاب "کلمۂ طیبہ" میں لکھتے ہیں :

عبداللہ مبارک نے مستحب حج کے ارادے سے اپنا سفر شروع کیا۔ کوفہ پہنچے پر انھوں نے ایک محترم خاتون کو دیکھا جو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے مری ہوئی مرغی اٹھا کر لے جا رہی تھیں۔

اس عمل نے عبداللہ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا لہٰذا وہ اس خاتون کے پیچھے ہو لیے۔ گھر پہنچ کر خاتون نے اپنے بچّوں کو خوش خبری سنائی کہ میں تمھارے لیے مرغی لے کر آئی ہوں۔ بچّوں کے چیخنے چلّانے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

عبداللہ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور خاتون سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ پتا چلا کہ یہ علوی سیدانی ہیں اور انتہائی فقروفاقہ کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بھوک کی وجہ سے خود ان پر اور ان کے بچّوں کے لیے مردار کھانا بھی حلال ہو گیا ہے۔

عبداللہ سفر کے لیے ہزار دینار لے کر چلے تھے۔ انھوں نے یہ دینار اس خاتون کے حوالے کر دیے۔ اور خود کوفہ ہی میں رہ گئے۔

حاجیوں کا قافلہ لوٹ کر آیا تو ان میں سے ایک حاجی نے عبداللہ کو تلاش کر کے اس سے کہا:

"اے عبداللہ! یہ تم نے کیسی مصیبت میرے اوپر ڈال دی ہے؟"

عبداللہ نے پوچھا:

"کیا مطلب! میں نے آپ کو کس مصیبت میں مبتلا کیا ہے؟"

اس حاجی نے کہا:

"شاید تم بھول رہے ہو، میدانِ عرفات میں تم دس ہزار دینار میرے حوالے کر کے چلے گئے تھے۔ اور پھر اتنی بڑی رقم مجھ سے واپس نہیں لی میں نے یہ تمھاری رقم سنبھال کر رکھی ہے!"

عبداللہ نے کہا:

"میں تو حج پر گیا ہی نہیں تھا۔ پھر بھلا کوئی چیز تمھارے حوالے کیسے کر سکتا ہوں؟"

اس حاجی نے کہا:

"چھوڑو رہنے دو، تم خود وہاں تھے۔ یہ لو اپنی رقم سنبھالو اور مجھے امانت رکھنے کی ذمّہ داری کے بوجھ سے نجات دو!"

رات کو جب عبداللہ سوئے تو انھوں نے خواب میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔

آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا:

"تم نے جو ہزار دینار علوی سیدانی کے حوالے کیے تھے خداوندِ عالم نے اس کے بدلے ایک فرشتے کو خلق کر دیا۔ اور اس فرشتے نے تمھاری نیابت میں حج انجام دیا ہے۔"

آنحضرتؐ نے مزید فرمایا:

"اسی فرشتے نے تمھارے لیے دس ہزار دینار بھی بھیجے ہیں۔ اس کے علاوہ آخرت کی جزا اور ثواب بھی تمھارے لیے محفوظ ہے۔

اور سنو!

جب تک تم زندہ رہو گے ہر سال یہ فرشتہ تمھاری طرف سے حج بجا لاتا رہے گا!"

اللہ تعالیٰ سے فضل و کرم طلب کرو

دمیری نے کتاب "حیوۃ الحیوان" میں عجیب و غریب واقعہ تحریر کیا ہے۔ اس واقعہ کے راوی ابن ظفر ہیں۔ ہم یہاں اسے مختصراً بیان کر رہے ہیں۔ اس واقعہ کو ابن ظفر یوں بیان کرتے ہیں:

سفر کے دوران اندلس میں جب میں ایک شخص کے ہاں پہنچا تو صاحبِ خانہ نے میری خوب آؤ بھگت کی۔

ایک دن میں نے اس کے سامنے سورۂ نساء کی یہ آیت تلاوت کی:

"وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔"

(سورۂ نساء: آیت ۳۲)

یعنی: تم خدا سے اس کے فضل و کرم کی خواہش کرو۔ خدا تو ہر چیز سے ضرور واقف ہے۔

صاحبِ خانہ نے کہا:

آپ نے بڑی عظیم آیت کی تلاوت کی ہے۔ مجھے اس سے ایک بڑا عجیب و غریب واقعہ یاد آگیا۔ وہ واقعہ کچھ یوں ہے:

چند سال پہلے دو نصرانی راہبوں نے ہمارے شہر میں آکر اسلام قبول کیا۔

اسلامی علوم سیکھنے کے لیے انھوں نے یہاں کے مدرسے میں داخلہ لیا۔ اور انھوں نے قرآن و حدیث کی تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ دونوں میرے ہی گھر پر کرائے سے رہا کرتے تھے۔ اور پڑھنے کے لیے مدرسے جایا کرتے تھے۔

لوگ ان کے بارے میں مختلف قسم کی باتیں کیا کرتے تھے لیکن میں انھیں اپنے گھر میں نماز روزے اور دیگر عبادتوں میں ہی مشغول پاتا تھا۔ یہ دونوں سحر کے وقت بیدار ہو کر باقاعدگی سے مصروفِ عبادت ہوا کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ دونوں صحیح معنوں میں عبادت گزار مسلمان تھے۔

یہاں تک کہ ان میں سے ایک کا انتقال ہو گیا اور اس کا غسل و کفن اسلامی قانون کے مطابق کیا گیا اور اس کا دوسرا ساتھی اب بھی میرے گھر پر کرائے سے رہ رہا تھا!

ایک دن میں نے اس سے کہا:

"میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے اور اس کا جواب دو گے۔"

اس نے کہا:

"تم مجھ پر حق رکھتے ہو اور مہربان ہو۔ یقیناً میں تمھارے سوال کا ضرور جواب دوں گا۔"

میں نے پوچھا:

"تم نے عیسائیوں کے ملک سے اسلامی ملک میں آکر اسلام کیوں قبول کیا؟"

اس نے بتایا:

"ہم دونوں عبادت گزار نصرانی راہب تھے اور کلیسا میں ہی رہا کرتے

تھے۔ ایک عرصے تک کلیسا کے نگراں نے ہمارے لیے ایک مسلمان قیدی ہماری خدمت پر مامور کر رکھا تھا۔ یہ مسلمان قیدی ہمارے ساتھ ہی رہتا تھا اور بڑی کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ میں اور میرا دوست دونوں ہی یہ چاہتے تھے کہ قرآن کو سمجھیں۔ لہٰذا ہم نے اس مسلمان قیدی سے طے کر لیا کہ وہ ہمیں عربی سکھائے گا تاکہ اس طرح ہم قرآن کے معنی اور مفہوم کو سمجھ سکیں۔

دن میں یہ مسلمان قیدی قرآن کی تلاوت کرتا تھا اور ہم سُنا کرتے تھے۔ ایک دن اس نے یہ آیت تلاوت کی:

"وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔"

(سورۂ نساء آیت ۳۲)

یعنی: تم خدا سے اس کے فضل و کرم کی خواہش کرو۔ خدا تو ہر چیز سے ضرور واقف ہے۔

میں نے اپنے دوست سے کہا:

"سوچو تو سہی، صاحبِ قرآن نے اس آیت میں کس چیز کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ جو کچھ بھی چاہتے ہو خدا کے فضل سے طلب کرو۔"

میں اس کا قائل نہیں تھا۔ لیکن میرا دوست مجھ سے زیادہ عقل مند تھا۔ اس نے مجھ سے کہا:

"خدا بہت بڑا ہے اور اس کی قدرت اور حکومت بہت وسیع ہے۔"

اس کے بعد ہم نے ایک مرتبہ اپنے اسیر مسلمان سے یہ آیت سُنی:

"ادعونی استجب لکم۔"

یعنی: مجھ سے دعا مانگو تاکہ میں تمھاری دعا قبول کروں۔

میں نے کہا:

"یہ قرآنی دعویٰ تو اس دعوے سے بھی بڑھ کر ہے!"

میرے دوست نے جواب دیا:

"میں مطمئن ہوں۔ یہ قرآن اسی پیغمبرؐ پر نازل ہوا ہے جس کا وعدہ حضرتِ مسیحؑ سے کیا گیا تھا اور انھوں نے اس پیغمبرؐ کے آنے کی بشارت دی تھی۔"

اس کے کچھ عرصے بعد ایک دن ہم کھانا کھا رہے تھے کہ لقمہ میرے حلق میں پھنس گیا اور میری حالت یکسر بگڑ گئی۔ میں مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ شراب کا گلاس میرے حلق میں انڈیلا لیکن وہ حلق سے نیچے اترنے کے بجائے واپس نکل آیا۔ موت میری آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی۔ یکایک مجھے آیت "واسئلوا اللہ من فضلہ۔" اور آیت "ادعونی استجب لکم۔" یاد آ گئی۔

میرے دل میں یہ آیا کہ خداوندا! اگر یہ کلام برحق ہے اور تیرے پیغمبرؐ پر نازل ہوا ہے تو تو میری مدد فرما اور ایسے پانی کا بندوبست کر دے جو میرے حلق میں اُتر جائے۔ دل میں یہ آنا تھا کہ یک بیک قریب پڑے ہوئے پتھر میں شگاف ہو گیا اور اس سے پانی نکلنے لگا۔ میں نے اپنے خادم کو اشارہ کیا کہ یہ پانی میرے حلق میں ڈال دے۔ اس پانی کا حلق میں پہنچنا تھا کہ مجھے اس کرب سے نجات مل گئی اور پتھر سے نکلنے والا پانی بھی ختم ہو گیا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس مسلمان قیدی نے جب پتھر سے پانی نکلتے ہوئے دیکھا تو وہ مچل مچل کر کہنے لگا:

"میں نصرانی بننا چاہتا ہوں!"

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ کم بخت یہ کرامت تو تمھارے قرآن کی آیت کے اثر سے ظاہر ہوئی ہے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی اور بولا:

"تم چاہتے ہو کہ میں نصرانی مذہب قبول نہ کروں!"

آخر کار وہ کلیسا کے بڑے نگراں کے پاس پہنچ کر نصرانی بن گیا۔ اس سلسلے میں اس نے کسی قسم کی کوئی تحقیق نہیں کی اور یہ جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ حقیقت کیا ہے۔

البتہ میں اور میرے دوست دونوں کے لیے اس معجزے سے بڑھ کر اور کوئی چیز اسلام اور قرآن کی حقانیت کے لیے نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم نے سوچا کہ کہاں جائیں۔ ہماری عمر کا ایک حصّہ نصرانی ملک میں گزر چکا ہے۔ میرا دوست مجھ سے زیادہ ذہین تھا اس نے کہا:

"آپ اس آیت سے کیوں غافل ہیں؟ ہم اسی آیت کے ذریعے خدا سے متمسک ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ ہماری نجات کا سامان فراہم کر دے گا!"

ہم نے اس آیت سے تمسک اختیار کرتے ہوئے کہا:

"اے خداوندا اور اے قرآن کو نازل کرنے والے! پیغمبر عربیؐ کی حقانیت کے ذریعے ہماری نجات کے سلسلے میں رہنمائی فرمادے۔"

اس کے بعد جب ہم دونوں سوئے تو خواب میں ہم نے ایک نورانی پیکر کو اوپر سے نیچے کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ یہ نورانی پیکر ایک تخت پر جلوہ افروز تھا اور اس تخت کو دو فرشتے اٹھائے ہوئے تھے۔ ان بزرگوار نے تخت پر بیٹھے بیٹھے ایک اشارہ کیا تو کلیسا کے در و دیوار پر موجود تمام شکلیں اور نقش و نگار مٹ گئے۔ ہم دونوں نے آگے بڑھ کر پوچھا:

"آپ حضرت مسیحؑ ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا:

"نہیں بلکہ میں محمدؐ ہوں وہی جسے تم نے یاد کیا ہے۔ میں اس لیے آیا ہوں تاکہ تمھاری نجات کے سلسلے میں رہنمائی کروں۔ تم دونوں اس ملک سے

ہجرت کر کے اسلامی ملک میں چلے جاؤ!"

میں نے کہا:

"اے محمدؐ! ہم نہیں جانتے کہ کہاں جائیں؟"

آنحضرتؐ نے ان دو فرشتوں سے جو تخت اٹھائے ہوئے تھے ارشاد فرمایا:

"تم بادشاہ کے پاس جاؤ اور اسے میرا حکم پہنچا دو اور اسے کہو کہ ان دونوں کو اسلامی ملک پہنچانے کا انتظام کرے اور وہ مسلمان جو اسلام سے پھر کر نصرانی ہو گیا ہے اس کی بابت بادشاہ کو یہ سمجھاؤ کہ اسے اسلام کی طرف لوٹنے کو کہے بصورت دیگر اسے قتل کر ڈالے۔"

یہ خواب دیکھ کر میں بیدار ہوا اور اپنے دوست سے بیان کیا تو پتہ چلا کہ اس نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا ہے۔

میں نے اپنے دوست سے کہا:

"اٹھو! بادشاہ کے پاس چلتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔"

ہم دونوں بادشاہ کے پاس پہنچے تو ہمیں دیکھتے ہی اس پر ہماری ہیبت طاری ہو گئی۔ میرے دوست نے اس سے کہا:

"جو کچھ خواب میں ہماری بابت تم سے کہا گیا ہے وہ بجا لاؤ۔"

بادشاہ یہ سن کر لرز اٹھا اور بولا:

"مجھے ایسا حکم دیا گیا ہے جس کی میں مخالفت نہیں کر سکتا۔ تم لوگ جہاں جانا چاہتے ہو سفر کے سلسلے میں تمام انتظام مکمل ہے۔ لیکن جب تک ہمارے ملک میں رہو اس واقعہ کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہ چلے۔"

اس کے بعد بادشاہ نے ایک شخص کو ہمارے سفر کے سلسلے میں

ہدایات جاری کیں۔

اسی وقت اس مسلمان قیدی کو بھی بلوایا جو نصرانی ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا:

"تم نے نصرانی مذہب کیوں قبول کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"معجزہ دیکھ کر میں نصرانی ہوا ہوں!"

بادشاہ نے کہا:

"اسلام کی طرف لوٹ جاؤ!"

اس نے جواب دیا:

"میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا!"

بادشاہ نے کہا:

"ہمیں ایسے نصرانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے!"

اس کے بعد جلاد کو بلا کر حکم دیا کہ اسے قتل کر دو۔

"خسر الدنیا والآخرۃ"

یعنی: نہ دنیا ہی ملی اور نہ آخرت۔

اس کے بعد بادشاہ نے بڑی عزت اور احترام سے آپ کے ملک پہنچانے کا بندوبست کر دیا اور بعد میں جو کچھ بھی ہم یہاں کر رہے ہیں اور جو کچھ بھی ہمارے ساتھ پیش آ رہا ہے آپ خود بھی جانتے ہیں!

———— ☼ ————

وہ عالم جو بندر کی صورت محشور ہوگا

بنی اسرائیل کا ایک شخص اپنا زیادہ تر وقت حضرت موسیٰؑ کے ساتھ گزارا کرتا تھا۔ اس نے توریت کے مسئلے مسائل اور احکامات یاد کر لیے تھے اور وہ شخص یہ مسائل اور احکامات دوسروں سے بیان کرتا تھا اور اس طرح تبلیغ دین کیا کرتا تھا۔

ایک عرصہ گزر گیا اور وہ شخص حضرت موسیٰؑ کو نظر نہیں آیا۔ ایک دن حضرت جبرائیلؑ حضرت موسیٰؑ کے پاس تشریف لائے۔ اسی اثنا میں ایک بندر حضرت موسیٰؑ کے سامنے سے گزرا۔

جبرائیلؑ نے پوچھا:

"کیا آپؑ نے اسے پہچانا؟"

حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا:

"نہیں ——— !"

حضرت جبرائیلؑ نے بتایا:

"یہ وہی عالم ہے جو توریت کے احکامات اور مسائل آپؑ سے یاد کر کے دوسروں کو بتاتا ہے۔ اس کی اصل ملکوتی صورت اور عالم برزخ والی صورت یہی ہے۔"

حضرت موسیٰؑ کو تعجب ہوا اور انھوں نے دریافت کیا:

"اسے ایسی صورت کیوں دی گئی ہے؟"

جبرائیلؑ نے جواب دیا:

"یہ شخص جو مسئلے مسائل بیان کرتا ہے تو اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اسے عالم اور فقیہ کہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ برزخ میں اسے بندر کی صورت میں رکھا جائے گا اور قیامت برپا ہونے تک اس شخص کو اسی طرح سزا دی جائے گی۔"

بادشاہِ روم کی ٹوپی اور بسم اللہ

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ بادشاہِ روم نے حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ اس خط میں اس نے اپنے عجیب و غریب قسم کے سردرد کی شکایت کی اور علاج کے لیے گزارش کی۔

بادشاہ کو کچھ اس قسم کا سر میں درد ہوتا تھا جس کا علاج بڑے بڑے طبیب بھی کرنے سے قاصر تھے۔ اب اس نے پیغمبرِ اکرمؐ کے وصی سے اس کا علاج دریافت کیا تھا!

جونہی بادشاہ کا خط پہنچا امام علیہ السّلام نے خط لانے والے شخص ایک ٹوپی دی اور یہ ہدایت فرمائی کہ جب بھی سر میں درد ہو اس ٹوپی کو پہن لیا جائے۔

وہ ٹوپی بادشاہ کو مل گئی۔

اب جب بھی بادشاہ کے سر میں درد ہوتا وہ اس ٹوپی کو پہن لیتا تھا اور حیرت انگیز طور پر اسے فوراً آرام آجاتا تھا۔

دو تین مرتبہ ایسا ہی ہوا جیسے بادشاہ اپنے سر پر وہ ٹوپی رکھتا اس کے سر کا درد ختم ہوجاتا تھا!

اب بادشاہ کو یہ جستجو ہوئی کہ وہ یہ معلوم کرے کہ حضرت علیؑ نے اس ٹوپی میں کیا رکھ دیا ہے کہ یہ اتنی زیادہ فائدہ مند ثابت ہو رہی ہے!

اس نے حکم دیا:

"اسے پھاڑ کر دیکھا جائے!!"

جب اس ٹوپی کو پھاڑ کر دیکھا گیا تو اس میں لکھا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ۔"

نئی زندگی مل گئی

میرے مرحوم دوست نے مجھے یہ واقعہ سُنایا:

میرے چچا زاد بھائی کے ہمراہ ہندوستان سے ایک سفینے کے ذریعے ناریل دبئی روانہ کیے گئے۔ بمبئی سے مجھے ٹیلیگرام کیا گیا کہ ایک ہفتہ بعد یہ آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

لیکن ایک ہفتہ گزرا، پھر دوسرا ہفتہ بھی گزر گیا اور سفینے والوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ یہاں تک کہ پورا ایک مہینہ گزر گیا۔ اب ہمیں یقین ہو گیا کہ سفینہ غرق ہو چکا ہے اور اس کے مسافر مر چکے ہیں۔ کیوں کہ کہاں ایک ہفتہ اور کہاں پورا ایک مہینہ ؟!

ہم نے سفینے کے ان مسافروں کے لیے ایصالِ ثواب کی مجلس کا اہتمام کیا اور ان کی میراث تقسیم کرنا چاہتے تھے کہ اچانک وہ سفینہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ سفینے کی حالت کافی شکستہ ہو چکی تھی اور اس کا انجن بھی ناکارہ ہو گیا تھا۔ ہم نے جب سفینے والوں سے پوچھا کہ ایک ہفتے کے بجائے آپ لوگ ایک مہینے کے بعد کیوں پہنچے تو انھوں نے بتایا:

ہمیں سمندری سفر شروع کیے تیسرا دن گزرا تھا کہ اچانک سمندری

طوفان آگیا۔ زبردست بارش ہوتی اور تیز ہواؤں نے ہمارے سفینے کو توڑ کر رکھ دیا۔ سفینے کا انجن بھی اسی طوفان کی وجہ سے خراب ہوگیا۔

سمندری طوفان ختم ہونے کے بعد ہوا ہمارے سفینے کو ادھر ادھر لیے پھرتی رہی۔ رات دن ہمیں یہی فکر لاحق رہتی کہ کس طرح ہم اپنے آپ کو سفینے میں محفوظ رکھیں اور اسے غرق ہونے سے بچائیں۔

بالآخر ہم نے چپوؤں کے ذریعے آہستہ آہستہ سفینے کو کھینا شروع کیا اور دن بھر میں بہ مشکل چار پانچ میل کا سفر طے کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہمارے پاس پینے کا میٹھا پانی ختم ہوگیا اور ہم پیاس سے جاں بلب ہوگئے۔ ہمارے اندر اب چپو چلانے کی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔

میرا ایک معاون شاگرد پیاس کی وجہ سے دم توڑنے ہی والا تھا اور میں بھی بالکل ہل جل نہیں سکتا تھا۔ اپنی زندگی کے ان آخری لمحات میں میں نے دل کی گہرائی سے کہا:

"خداوندا! اگر ہماری عمر باقی ہے تو ہمیں اس پریشانی سے نجات عطا فرما"

اسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا ہمارے سروں پر نمودار ہوا اور سفینے پر بارش ہونے لگی۔

ہم نے جلدی جلدی برتن اس طرح کھلی جگہ میں رکھ دیے کہ ان میں بارش کا پانی جمع ہوجائے اور اپنا اپنا منہ کھول دیا تاکہ بارش کے قطرے ہمارے منہ میں گرتے رہیں۔

ہم نے یہ دیکھا کہ بادل کا یہ ٹکڑا صرف ہمارے ہی سفینے پر برس رہا ہے۔ اور سمندر میں اور کہیں بارش کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

جب ہمارے مٹکے اور دوسرے برتن پانی سے بھر گئے تو بادل کا وہ ٹکڑا غائب ہوگیا اور مطلع صاف ہوگیا۔

اس کے بعد ہم نے ناریل کے پانی سے بھی فائدہ اٹھایا اور اس طرح خداوند کریم نے ہمارے لیے پریشانی سے نجات کا سامان پیدا کردیا اور ہمیں نئی زندگی مل گئی!!!

زخمی شیر، علیؑ کے مرقد پر

ایک بزرگ شیعہ عالمِ دین بیان فرماتے ہیں :

ایک رات میں امیرالمومنینؑ کے مرقد پر گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آٹھ سو سال پہلے وہاں پر دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی اور "فرحۃ الغریٰ" نامی کتاب کے مؤلف کے مطابق وہاں پر صرف چند جھونپڑیاں تھیں۔ اور چاروں طرف وسیع بیابان تھا۔ "فرحۃ الغریٰ" کے مؤلف سید ابن طاؤس کے پوتوں میں سے ہیں!

وہ بزرگ عالم بیان کرتے ہیں کہ مرقدِ علیؑ پر پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں نے شیر کی آواز سُنی اور میں نے دیکھا کہ ایک شیر مرقدِ علیؑ پر موجود ہے ابتدا میں تو مجھے خوف محسوس ہوا لیکن تھوڑی ہی دیر میں محسوس کرلیا کہ وہ کسی قسم کی برائی کے ارادے سے نہیں آیا ہے ورنہ مجھے یہاں دیکھ کر ضرور حملہ کردیتا۔ قبر پر پہنچنے کے بعد یوں لگا جیسے شیر نے رازداری سے کچھ کہا ہو اور پھر وہ فریاد و فغاں کرنے لگا۔

جب صبح کا اجالا پھیل گیا تو میں نے دیکھا کہ شیر اپنے سامنے کے پاؤں کو قبر سے مس کرکے رونے اور گڑگڑانے کے سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر میں بڑے اطمینان سے شیر کے قریب پہنچا میں نے دیکھا کہ اُس کے اگلے پاؤں میں بڑا سا کانٹا چُبھا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ زخمی ہوگیا ہے اور زخم میں پیپ پڑ چکی ہے۔

خداوندِ عالم نے اُس حیوان کو اتنا شعور عطا کردیا ہے جس کی وجہ سے وہ سمجھ رہا ہے کہ میری اس مشکل کو حل کرنے والے، مشکل کشا علیؑ ہیں۔ اسی لیے وہ اپنی کچھار سے نکل کر مرقد علیؑ پر پہنچ گیا ہے۔

بہرحال مرقدِ مبارک پر پہنچ کر گڑگڑانے سے شیر کے پاؤں سے کانٹا نکل گیا اور وہ اپنا پاؤں مرقد سے ملنے لگا اسی اثنا میں زخم بھی بھر گیا اور وہ شیر تشکر آمیز نگاہوں سے مرقد علیؑ کو دیکھتا ہوا واپس لوٹ گیا۔

خدا کرے کہ علیؑ کے وسیلے کی برکت سے ہمارے گناہوں کی آلودگی بھی دُھل جائے۔ صلی اللہ علیک یا امیرالمومنینؑ!

سُنار سے نگینہ ٹوٹ گیا

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کے پڑوس میں ایک سُنار رہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ کے وزیر نے ایک قیمتی نگینہ بھیجا اور اس سے یہ فرمائش کی کہ اس نگینے کو انگوٹھی میں لگادے۔

جب اس سُنار نے اس نگینے پر نقاشی شروع کی اور اسے انگوٹھی میں لگانا چاہا تو وہ قیمتی نگینہ معمولی سی چوٹ پڑتے ہی ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا۔ ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس نگینے کی قدر و قیمت ختم ہوگئی لہٰذا وہ پریشانی کی حالت میں امامؑ کی خدمت میں آیا اور پورا ماجرا بیان کردیا۔

امامؑ نے فرمایا:

"خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اطمینان سے رہو اور مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے!"

(مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی مشکل اور پریشانی ایسی نہیں جس کے حل کرنے پر خداوند متعال قادر نہ ہو۔ بلکہ سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر مشکل کو وہ بآسانی حل کرنے پر مکمل طور پر قادر ہے)

بہرحال اس سنار نے عباسی وزیر کے خوف سے وصیت وغیرہ

کردی اور نگینے کے ٹوٹ جانے کے انجام کی بابت بہت فکرمند تھا۔ پھر ایک دن وزیر نے اپنا آدمی بھیج کر سُنار کو پیغام پہنچایا:

"محترم سُنار! میری دو بیویاں ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ اس نگینے کی انگوٹھی بنوا کر ایک بیوی کو دے دوں۔ لیکن دوسری مجھے پریشان کیے ہوئے ہے وہ بھی ایسے ہی نگینے کی انگوٹھی چاہتی ہے۔ میرے پاس دوسرا نگینہ نہیں ہے۔ کیا تم اس کے دو حصے کرکے دونوں بیویوں کے لیے دو انگوٹھیاں بنا سکتے ہو؟ میں تمھیں اس سلسلے میں بہترین انعام بھی دوں گا!"

سنار نے جواب دیا:

"نگینے کے دو حصے کرنا مشکل کام ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ وزیر کی قسمت سے ایسا ہوجائے۔"

اس کے بعد سُنار نے نگینے کے دو ٹکڑوں سے دو انگوٹھیاں بنا کر بھاری انعام وصول کیا۔ اور امامؑ کی خدمت میں آکر ان کا شکریہ ادا کیا۔

آدمی کو ہمیشہ خداوند متعال ہی کی ذات سے اپنی امیدیں وابستہ رکھنی چاہئیں!!!

امام زین العابدینؑ اور اُن کا غلام

ایک مرتبہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے غلام کو آواز دی۔ غلام نے سُننے کے باوجود کوئی جواب نہیں دیا۔ امامؑ نے دوبارہ آواز دی لیکن پھر بھی اس نے اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد امام زین العابدینؑ نے اٹھ کر اپنا کام خود انجام دیا۔

حضرت امامِ سجادؑ نے اپنا کام انجام دینے کے بعد غلام سے پوچھا:

"میں نے تمھیں آواز دی تو کیا تم نے نہیں سُنا؟"

اس نے جواب دیا:

"کیوں نہیں!"

امامؑ نے پوچھا:

"پھر جواب کیوں نہیں دیا؟"

غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت امام سید سجادؑ اپنے غلام پر کسی قسم کی برتری ظاہر کرتے ہوئے یہ نہیں فرماتے کہ میں تمھارا آقا ہوں اور تم میرے ماتحت ہو۔ بلکہ بالکل اسی طرح گفتگو فرما رہے ہیں جیسے دو بندے آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

غلام نے کہا:

"حقیقت یہ ہے کہ میں تھکا ہوا تھا اور مجھے آپؑ کی طرف سے اطمینان تھا کہ آپؑ کسی قسم کی ملامت اور ڈانٹ پھٹکار نہیں کریں گے (اس لیے میں نے آپ کی آواز سننے کے بعد کوئی جواب نہیں دیا۔)

امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے فرمایا:

"پروردگارا! میں اس بات پر تیرا شُکر ادا کرتا ہوں کہ میرا غلام مجھ سے امان میں ہے!"

یعنی میں اذیت پہنچانے والا ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جس کے ہاتھوں اس کا غلام تکلیف اور پریشانی میں ہو۔ لوگ شر پسند افراد سے ڈرتے ہیں۔ امامؑ اس بات پر خدا کا شُکر ادا کر رہے ہیں کہ ان کا غلام ان سے نہیں ڈرتا۔

لہٰذا وہ شر پسندوں میں شامل نہ ہونے پر خدا کا شکر ادا کر رہے ہیں!

———*———

بچھو کے ڈنک سے فالج کا علاج

تاریخ میں لکھا ہے کہ آج سے کوئی سات سو سال پہلے خوارزم شاہ کے زمانے میں نیشاپور دارالسلطنت ہوا کرتا تھا۔ اس بادشاہ کے دور میں اس کی آبادی تقریباً پندرہ لاکھ تھی۔

اس شہر میں ایک سے ایک بڑھ کر ہر فن کے ماہر اور استاد پائے جاتے تھے۔ اسی زمانے میں وہاں علمِ طب کے سب سے بڑے ماہر یحییٰ بن زکریا رازی تھے جو حکومت کے اس مرکز نیشاپور میں ہی رہا کرتے تھے۔

انہی دنوں فارس کا ایک حاکم فالج میں مبتلا ہوگیا۔ اس کی ٹانگیں بے جان ہو چکی تھیں اور وہ بستر سے لگ گیا تھا۔ جتنا بھی علاج کیا جاتا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ جب فارس میں اس کے علاج سے مایوسی ہوئی تو اُسے نیشاپور میں رازی کے پاس لے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔

سامانِ سفر تیار ہوا اور فارس کے حاکم کو اس زمانے کے دستور کے مطابق گھوڑے اور خچر پر کاٹھی ڈال کر اور کجاوہ بنا کر نیشاپور لے جایا گیا۔ جس وقت وہاں پہنچے تو مغرب کا وقت ہو رہا تھا۔ لہٰذا مجبوراً اس قافلے کو سرائے میں ٹھہرنا پڑا اور رات وہیں بسر کرنی پڑی۔ موسم بہت گرم تھا۔ لہٰذا قافلے والے چھت

پر جا کر سونے پر مجبور تھے۔ اور مریض کو مہمان خانے میں ہی چھوڑ دیا گیا۔

صبح سویرے جب قافلے والے نیچے اُترے تو انھوں نے دیکھا کہ مریض اٹھ کر چل پھر رہا ہے۔ انھوں نے پوچھا:

"تم کیسے ٹھیک ہو گئے؟"

فارس کے حاکم نے جواب دیا:

"مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کیسے ٹھیک ہو گیا!"

قافلے والوں نے کہا:

"اب جب کہ ہم یہاں تک آ ہی گئے ہیں تو ماہر طبیب رازی کے پاس چلتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تم کیسے ٹھیک ہو گئے!"

یہ لوگ رازی کے پاس آئے اور تمام واقعہ بیان کر دیا۔

رازی نے کہا:

"اس کے کپڑے اتارو!"

جب کپڑے اتارے گئے تو معلوم ہوا کہ دو خطرناک بچھو اس کے لباس میں موجود ہیں۔ ماہر طبیب رازی نے کہا:

"اس بیماری کا علاج بچھو کے زہر ہی سے ممکن ہے!"

خدائی فیصلہ اور شرعی ذمّہ داری

روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ایک دیوار کے نیچے تشریف فرما تھے کہ اتنے میں وہ دیوار جھڑنے لگی اور اس کے گرنے کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ مولائے کائناتؑ وہاں سے اُٹھ کر ایک طرف ہو لیے۔ لوگوں میں سے کسی نے کہا:

"اے امیر المومنینؑ! آپؑ قضائے الٰہی یعنی خدائی فیصلے سے فرار اختیار کر رہے ہیں؟"

آپؑ نے فرمایا:

"افر من قضاء اللہ الی قدر اللہ۔"

یعنی: میں قضائے الٰہی سے قدرِ الٰہی کی جانب جا رہا ہوں۔

قضا و قدرِ الٰہی کیا ہے؟

قضائے الٰہی یعنی خدا کے فیصلے کا تعلّق عالمِ وجود سے ہے اور یہ عمل اور اسباب سے مربوط ہے۔ اگر دیوار گر رہی ہے اور انسان اس کے نیچے بیٹھا ہوا ہے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلتا تو عین ممکن ہے کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔ یہاں پر خدائی فیصلہ یہ ہے کہ اگر آدمی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو اسے

کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہاں پر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حقیقت میں خدا کا حتمی فیصلہ نہیں ہوگا تو آدمی وہاں سے ہٹ نہیں سکتا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی شرعی ذمہ داری پوری کرے اور وہاں سے ہٹ جائے۔

قضائے الٰہی اپنی جگہ پر اور مومن کی شرعی ذمّہ داری اپنی جگہ پر معیّن اور مقرّر ہے۔ خدا اپنے بندے کے لیے جو چاہتا ہے اور جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ کسی اور علّت اور کسی دوسرے سبب کے ذریعے پورا کرتا ہے اور اس سلسلے میں دوسری تفصیلات کی جانب اشارہ کر دیا ہے۔

طالب علم کی موت کا پیارا واقعہ

بظاہر جناب علّامہ حلّی علیہ الرحمہ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے نسخے میں ہے:

ایک مرتبہ عصر کے وقت میں شہر حلّہ کے قبرستان پہنچا۔ وہاں میں نے اہلِ قبور کے لیے فاتحہ پڑھی۔ ان ہی قبروں میں ایک قبر ایسی بھی نظر آئی جس کے نام سے ظاہر ہوتا تھا کہ حلّہ کے رہنے والے کی نہیں ہے بلکہ یہ کسی غیر عرب کی قبر ہے۔ قبر پر لکھا تھا کہ یہ اہلِ علم ہیں۔ میرے دل میں اس صاحبِ قبر کو پہچاننے کی خواہش پیدا ہوئی چنانچہ اس سلسلے میں خدا سے رجوع کیا۔

رات کو میں نے خواب دیکھا کہ سیّد بزرگوار نورانی چہرے کے ساتھ آئے ہیں اور خوشگوار لہجے میں کہہ رہے ہیں:

"میں وہی صاحبِ قبر ہوں جس کے لیے آپ نے فاتحہ پڑھی تھی اور میں آپ کا شکرگزار ہوں۔"

علّامہ حلّی نے پوچھا:

"آپ کون ہیں؟

انھوں نے بتایا۔

"میں ایک ایرانی ہوں اور علمِ دین حاصل کرنے کے لیے "حلّہ" آیا تھا۔" (یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس زمانے میں حلّہ علومِ دینیہ کا مرکز تھا اور سید ابنِ طاؤس بھی حلّہ میں تھے۔ کتاب شرائع الاسلام کے مؤلف بھی حلّہ میں رہا کرتے تھے۔)

خواب میں آنے والے وہ سیّدِ بزرگوار مزید بتاتے ہیں:

"میں نے حلّہ پہنچ کر فلاں مدرسے میں داخلہ لیا اور ایک عرصے کے بعد بیمار پڑ گیا۔ اور اس کے بعد نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں اپنے کمرے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ میری حالت انتہائی خراب ہو چکی تھی اور سارے بدن میں شدید درد ہوتا رہتا تھا۔

پھر ایک مرتبہ اچانک مجھے بہترین خوشبو محسوس ہوئی اور میں نے اپنے سامنے ایک خوب صورت چہرہ دیکھا۔ اسے دیکھ کر میرے دل کو کافی سکون ہوا۔ اس خوب صورت چہرے والے شخص نے میری احوال پُرسی کی۔ میں نے اسے بتایا کہ سر سے لے کر پاؤں تک درد میں مبتلا ہوں اور سخت تکلیف میں ہوں۔" اس نے پوچھا:

"کیا تم چاہتے ہو کہ تمھارے لیے ڈاکٹر لے آؤں تاکہ تمھیں آرام آجائے؟"

میں نے کہا:

"اس سے بڑھ کر تم میرے لیے اور کیا مہربانی کر سکتے ہو!"

پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اور خوب صورت اور خوشبوؤں میں بسا ہوا ایک شخص آگیا اور اس نے بڑی نرمی اور محبت سے میری احوال پُرسی کرتے ہوئے کہا:

"آپ کو کہاں درد ہو رہا ہے؟"

اس نے اپنا ہاتھ میرے پاؤں پر رکھا اور آہستہ آہستہ اسے اوپر لے آیا۔

میں نے کہا:

"یہاں تک میں بالکل ٹھیک ہو چکا ہوں!"

اور جیسے جیسے اس کا ہاتھ اوپر ہوتا رہا میں اس سے یہ کہتا رہا کہ یہاں تک میں بالکل ٹھیک ہو چکا ہوں۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے سر کے اوپر سے گزار دیا۔ پھر میں نے اپنے کو ایک طرف دیکھا اور میرا بدن کمرے میں گرا پڑا تھا!

اسی اثنا میں مدرسے کا ایک طالب علم کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے مجھے چھو کر دیکھا اور پکار اٹھا:

"اوہ، سید تو مر گیا!"

پھر میں نے دیکھا کہ میرے جسم کو اٹھا کر غسل کے لیے لے جایا گیا۔ اور غسل دینے کے بعد مجھے کفن پہنا دیا گیا۔ جب مجھے قبر میں دفنایا گیا تو اس وقت میں نے وہاں وہی پہلے والے خوبصورت چہرے کو دیکھا۔ پہلے پہل مجھے قبر سے خوف محسوس ہو رہا تھا لیکن اس خوب صورت چہرے کے آنے کی وجہ سے میرا دل خوش ہو گیا۔ اس نے پوچھا:

"جانتے ہو میں کون ہوں؟"

میں نے کہا:

"نہیں ——!"

اس نے بتایا:

"میں تمھارا نیک عمل ہوں! وہ ڈاکٹر ملک الموت تھا جو عزرائیل نامی فرشتہ ہے اور وہ تمھاری روح قبض کرنے کے بعد چلا گیا ہے۔ لیکن میں ہمیشہ

تمھارے ساتھ رہوں گا۔"

علامہ حلی لکھتے ہیں کہ یہ وہ امور ہیں جو ہمارے شیعہ عقائد سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اعمال مجسم ہو کر ملکوتی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر اعمال نیک ہوں تو خوب صورت چہرے کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور اگر اعمال برے ہوں تو بدصورت شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

مسجد کا یہ وسیع و عریض ہال بالکل اسی طرح کل ہماری اس عبادت کی گواہی دے گا جس طرح روز و شب اور زندگی کے گزرنے والے لمحات ہمارے ایک ایک عمل کی گواہی دیں گے۔

خواب میں میدانِ کربلا سے فرار

میرے ایک دوست جو کافی عرصے تک شہر کی جامع مسجد میں باجماعت نماز ادا کیا کرتے تھے اب وہ رحمتِ الٰہی سے پیوست ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنا یہ خواب مجھ سے یوں بیان کیا تھا۔

"میں ایک عرصے تک نماز کے بعد زیارت میں " یالیتنی کنت معکم "۔ یعنی اے میرے مولا حسینؑ کاش روزِ عاشورہ میں آپؑ کے ساتھ ہوتا۔ یہ الفاظ زیارت میں ادا کر کے میں یہ سوچا کرتا تھا کہ مجھے شہدائے کربلا کے برابر ثواب حاصل ہو رہا ہے!"

میرے وہ دوست بیان کرتے ہیں کہ ایک رات خواب میں میں نے واقعۂ کربلا بالکل اسی طرح دیکھا جس طرح اہلِ منبر بیان کرتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کے ساتھی اور ابن سعد کا لشکر دونوں مدّمقابل تھے میں امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں شامل ہو گیا۔

پھر ایک ایک کر کے بنی ہاشم میدان میں گئے یہاں تک کہ قاسم ابنِ حسنؑ میدانِ قتال میں پہنچے۔ میں امام حسینؑ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت قاسم کی آوازِ استغاثہ بلند ہوئی اور وہ گھوڑے سے گرے۔ میں اپنے آپ سے

کہنے لگا:

"اب حضرت اباعبداللہ الحسینؑ مجھے میدانِ قتال میں بھیجیں گے اور آخر کار میں قتل ہو جاؤں گا۔"

مولا حسینؑ سے نظریں بچاتے ہوئے اس انداز میں کہ وہ مجھے نہ دیکھ سکیں میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا گیا اور اس کے بعد تیزی سے بھاگتے ہوئے وہاں سے فرار ہو گیا۔ میری یہ حالت تھی کہ تیز دوڑنے کی وجہ سے اور گرمی کے مارے میں بہت گھبرا رہا تھا اور اسی گھبراہٹ کی وجہ سے میں بیدار ہو گیا!

———*———

کُتیا نے اپنے بچّوں کو بچا لیا

میرے ایک دوست انتہائی قابل بھروسہ شخص ہیں وہ بیان کرتے ہیں:

چند سال قبل موسم سرما میں شدید برف باری ہوئی۔ موسم انتہائی سرد تھا اور میں دکان کے اندر آگ سینکتے ہوئے ایک گوشے میں بیٹھا تھا۔ میری دکان کے برابر ایک اور بوسیدہ سی دکان تھی جسے کوئی کرائے پر لینے کے لیے تیار نہیں تھا اس دکان کی چھت بہت خستہ حالت میں تھی۔

ایک کُتیا نے وہاں بچے دیئے ہوئے تھے۔ وہ وہیں بیٹھ کر بچوں کو دودھ پلایا کرتی تھی۔ اور یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک دن کُتیا تیزی سے اٹھی اور اپنے ایک ایک بچے کو اٹھا کر سامنے گلی میں عین بیچوں بیچ برف کے اندر لا لا کر رکھنے لگی۔ اس طرح وہ اپنے تمام بچے باہر نکال لائی۔ اور ابھی تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ دکان کی چھت بیٹھ گئی! خدا جانے کُتیا کو یہ شعور کہاں سے ملا؟ اسے کیسے پتہ چلا کہ چھت گرنے والی ہے؟ اس سلسلے میں غیبی مدد کہاں سے آئی؟ اس کے علاوہ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کتنا چاہتی تھی نیز خدا نے اس کے دل میں ممتا کا جذبہ کس طرح کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا اور وہ کس انداز سے اپنے بچوں کی حفاظت کر رہی تھی!!!

شکاری اور بن مانس

ایک مرتبہ کسی شکاری نے جنگل میں پہاڑی گائے کا شکار کیا۔ رات کی تاریکی پھیل چکی تھی لہٰذا شہر تک واپس پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ سخت سردی بھی پڑ رہی تھی لہٰذا اس نے ایک پہاڑی غار میں پناہ لے لی اور اس خیال سے کچھ لکڑیاں جمع کر کے جلا دیں کہ گرمی سے حرارت بھی حاصل ہوتی رہے اور وہ گائے کا گوشت بھی بھون کر کھا سکے۔

اسی اثنا میں ایک بن مانس غار میں گھس آیا۔ شکاری کا اسلحہ بھی اتنی دور رکھا ہوا تھا کہ وہ اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس صورت حال سے سخت پریشان تھا۔ اوپر سے بن مانس شکاری کے سر سے سر جوڑ کر بیٹھ گیا۔

مزید برآں جو کچھ بھی شکاری کرتا تھا بن مانس بعینہٖ اس کی نقل اُتارتا جاتا تھا۔ وہ آگ بھڑکاتا تو بن مانس بھی آگ بھڑکانے لگتا۔ شکاری گوشت کی بوٹی آگ میں ڈال کر بھونتا تو بن مانس بھی گوشت کا ٹکڑا آگ میں بھوننے لگتا۔

شکاری کو فکر لاحق ہوئی اور وہ اپنے بچنے کی کو ترکیب سوچنے لگا۔
بالآخر اس نے بن مانس کی نقل اتارنے کی عادت سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ

کیا۔ اُس نے شکار سے حاصل ہونے والی چربی کو اپنے جسم پر ملنا شروع کیا۔ تو بن مانس نے بھی یہی کام کیا۔ جب بن مانس اچھی طرح چربی مل چکا تو شکاری آگ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ بن مانس نے بھی ایسا ہی کیا۔

پھر چپکے سے شکاری نے ایک جلتی ہوئی لکڑی بن مانس کی دم کے نیچے رکھ دی اور جب اس کی دم جلنے لگی تو وہ چیختا چلّاتا ہوا غار سے نکل کر بھاگ گیا۔

مختصر یہ کہ انسان کی عقل اور فہم و فراست کے آگے کوئی جانور نہیں ٹھہر سکتا!

حضرت سلیمانؑ اور محبّتِ خدا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ایک چڑے نے چڑیا سے کہا:

"تم میری ساتھی اور جوڑی کیوں نہیں بنتی ہو؟ اگر میں چاہوں تو اپنی چونچ میں سلیمانؑ کا محل اٹھا کر دریا میں ڈال سکتا ہوں!"

ہوا نے چڑے کی یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کے کانوں تک پہنچا دی۔ یہ سُن کر انھوں نے مُسکراتے ہوئے دونوں کو اپنے پاس طلب فرمایا اور چڑے سے پوچھا:

"تم نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کیا اسے کر کے بھی دکھا سکتے ہو؟"

وہ بولا:

"نہیں! اے پیغمبرِ خداؑ! لیکن اگر کوئی اپنی ساتھی اور جوڑی کے سامنے ڈینگیں مارے اور بے پَر کی اُڑائے تو اس بات پر عاشق کی مذمّت نہیں کرنی چاہیے۔"

پھر حضرت سلیمانؑ نے چڑیا سے کہا:

"دعویٔ محبّت کے باوجود تم اس سے بے اعتنائی اور روگردانی کیوں برت رہی ہو؟!"

چڑیا بولی:

"اے پیغمبرِ خداؑ! یہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ میرا دوست نہیں ہے۔ اور جھوٹا

دعویٰ کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ میرے علاوہ کسی اور کو چاہتا ہے۔"

چڑیا کی یہ بات سُن کر حضرت سلیمان علیہ السّلام کے دل پر بہت گہرا اثر پڑا اور وہ بہت روئے اور چالیس دن تک اپنی عبادت گاہ سے باہر نہیں نکلے اور رو رو کر خداوندِ عالم سے یہ دعا کرتے رہے:

"پروردگارا!

میرے دل سے غیرِ خدا کی محبت کو دور فرما دے اور میرا دل صرف اور صرف اپنی محبت سے بھر دے!"
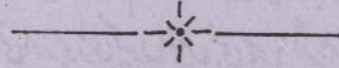
جالینوس کا مرض

جالینوس کو عمر کے آخری حصّے میں اسہال کی بیماری لگ گئی۔ پھر ایک عرصے تک اپنا علاج خود کرنے کے باوجود اس کا یہ مرض بجائے کم ہونے کے بڑھتا چلا گیا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگوں نے اسے طعنہ دینا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ اتنا بڑا حکیم اور معالج ہونے کے باوجود اپنا علاج کیوں نہیں کر لیتا۔ خاص طور سے جبکہ وہ خود اس بیماری کے علاج معالجے کے سلسلے میں ماہر بنتا ہے!

وہ لوگوں کے طعنے سُنتے سُنتے تنگ آ چکا تھا اور آخر کار اس نے سب کو اپنے پاس بلوایا اور کہا:

"مٹی کا ایک بڑا سا برتن لے آؤ اور اس میں پانی بھر دو!"

پھر اس کے بعد جالینوس نے تھوڑی سی دوا اس پانی پر چھڑکنے کے بعد لوگوں سے کہا:

"اب یہ برتن توڑ دو!"

چنانچہ مٹی کا وہ برتن توڑ دیا گیا لیکن پانی اپنی جگہ پر برف کی مانند جما ہوا تھا۔ پھر اس نے لوگوں سے کہا:

"میں نے یہ دوا بڑی کثرت سے استعمال کی ہے لیکن اس سے مجھے کوئی

فائدہ نہیں ہوا۔ خوب سمجھ لو کہ جب قضائے الٰہی آجائے تو اُس کے مقابلے میں کوئی بھی کام فائدہ مند اور موثر ثابت نہیں ہوسکتا!"

اور بالآخر وہ اسی بیماری میں اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ارسطو مات مدقوقاً ضئیلا
وافلاطون مفلوجاً ضعیفا
مضی بقراط مسلولاً ذلیلا
وجالینوس مبطوناً نحیفا

یعنی ارسطو تپ میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے چلا گیا۔
افلاطون مرض قولنج میں مبتلا ہو کر مر گیا۔
تپ دق کی بیماری نے بقراط کا کام تمام کر دیا۔
اور جالینوس اسہال (دست اور پیچش) کی بیماری میں چل بسا۔

حالانکہ یہ چاروں بڑے بڑے حکیم اور طبیب ہوا کرتے تھے۔ اور مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ جس بیماری کے علاج میں یہ ماہر ہوا کرتے تھے۔ اسی میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے تاکہ لوگ اچھی طرح جان لیں کہ:

"وھو القاھر فوق عبادہ"

یعنی: وہ خدا اپنے بندوں پر زبردست اور حاوی ہے۔

رحمتِ خدا سے مایوس حمید ابنِ قحطبہ

عبداللہ بزاز نیشاپوری بیان کرتے ہیں:

میرا حمید ابن قحطبہ (ملعون) سے ایک قسم کا مسئلہ چل رہا تھا۔ جب میں سفر سے آیا تو اس نے مجھے طلب کیا۔ میں وہی سفر کا لباس پہنے ہوئے اس کے پاس چلا گیا۔ جس وقت میں اس کے پاس پہنچا تو ظہر کا وقت ہو رہا تھا اور یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔

میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک تھال اور لوٹا لایا گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور مجھ سے بھی کہا کہ میں اپنے ہاتھ دھو لوں۔ میں بھول چکا تھا کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے اور میرا روزہ ہے۔ لیکن جب کھانا لگایا گیا تو مجھے یاد آگیا اور میں پیچھے ہٹ گیا۔

حمید نے کہا:

"دوپہر کا کھانا کیوں نہیں کھاتے؟"

میں نے کہا:

"اے امیر! یہ ماہِ مبارکِ رمضان ہے۔ نہ تو میں بیمار ہوں اور نہ ہی مجھے کوئی اور عذر ہے جس کی وجہ سے روزہ نہ رکھوں۔ البتہ شاید امیر کو کوئی عذر درپیش ہے۔"

میری یہ بات سُن کر اُس نے روتے ہوئے کہا :

" مجھے بھی نہ تو کوئی عذر ہے اور نہ ہی میں بیمار ہوں ! "

اتنا کہنے کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوگیا تو میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا ۔ وہ بولا :

اس زمانے میں جب ہارون، خراسان آیا ہوا تھا تو ایک رات اُس نے اپنا آدمی میرے پاس بھیجا اور مجھے طلب کیا ۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک شمع روشن ہے اور سبز رنگ کی تلوار اس کے سامنے رکھی ہوئی ہے ۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے پوچھا :

" تم میری کس حد تک اطاعت کر سکتے ہو ؟ "

میں نے جواب دیا :

" جان، مال، بیوی بچے اور دین سب کچھ آپ پر قربان کر سکتا ہوں ! "

یہ سُن کر اُس نے ہنستے ہوئے کہا :

" لو یہ تلوار اٹھاؤ اور میرا یہ خادم جس جس کی نشان دہی کرتا جائے اسے تم قتل کر ڈالو ! "

میں نے تلوار اٹھائی اور خادم کے ہمراہ باہر نکل آیا ۔ پھر وہ مجھے ایک ایسے گھر کے دروازے پر لے آیا جس پر تالا لگا ہوا تھا ۔ اس نے دروازہ کھولا اور ہم اس گھر کے احاطے میں داخل ہوگئے ۔ میں نے دیکھا کہ گھر کے درمیان میں ایک کنواں ہے اور اس مکان میں تین کمرے ہیں اور تینوں میں تالے لگے ہوئے ہیں ۔

اس خادم نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا ۔ میں نے دیکھا کہ اس میں سے بیس۲۰ آدمی نکلے جن میں سے کچھ بوڑھے تھے کچھ جوان ۔ یہ سب کے سب حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کی اولاد میں سے تھے اور سب کے سب زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ۔

ہارون کے اس خادم نے مجھ سے کہا :

" ان سب کی گردن اُڑا دو ! "

اس کے بعد وہ انھیں ایک ایک کرکے میرے پاس لاتا رہا اور میں ان کی گردن کاٹ کر ان کا سر اور دھڑ کنوئیں میں ڈالتا رہا ۔ یہاں تک کہ پورے بیس کے بیس قتل ہوگئے !

پھر اُس نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا اور اس میں سے بھی بیس علوی سادات زنجیروں میں جکڑے ہوئے باہر نکلے اور میں نے ہارون رشید کے خادم کا اشارہ پاکر ایک ایک کو قتل کرکے کنوئیں میں ڈال دیا ۔

تب اس نے تیسرے کمرے کا دروازہ کھولا اور اس میں سے بھی دوسرے دو کمروں کی طرح بیس علوی سادات باہر نکلے اور میں ہر ایک کو قتل کرتا چلا گیا یہاں تک کہ ایک ضعیف العمر شخص باقی رہ گیا ۔ اس نے مجھ سے کہا :

" وائے ہو تجھ پر ! کل بروز قیامت جب تجھے ہمارے جدّ رسولِ خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا تو تُو کیا جواب دے گا ؟ ! تُو نے تو ان کی ذرّیت کے ساٹھ آدمیوں کا ناحق خون بہایا ہے ؟ ! "

اس عمر رسیدہ شخص کی یہ بات سُن کر مجھ پر لرزہ طاری ہوگیا ۔ میری یہ حالت دیکھ کر خادم نے قہر آلود نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور مجھے ڈرانے دھمکانے لگا ۔ چنانچہ میں نے اس عمر رسیدہ سید کو بھی قتل کرنے کے بعد کنوئیں میں ڈال دیا ۔

اے عبداللہ بزاز نیشاپوری ! اب ذرا سوچو کہ جس نے اولادِ رسولؐ میں سے ساٹھ افراد کا ناحق خون بہایا ہو کیا اسے نماز اور روزہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں ؟ ! مجھے یقین ہے کہ اب آتشِ جہنم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرا مقدر بن چکی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ میں ماہِ رمضان کے روزے نہیں رکھتا ۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام خراسان آئے تو عبداللہ نیشاپوری نے حمید ابن قحطبہ کا سارا حال ان سے بیان کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ وہ اب رحمتِ خدا سے بالکل مایوس ہو چکا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"افسوس ہے اس پر، حمید ابن قحطبہ کی رحمتِ خدا سے مایوسی ان ساٹھ علوی سادات کے قتل سے کہیں زیادہ بڑا گناہ ہے!"

عابد و زاہد لبیب کا واقعہ

کتاب "فرج بعد الشدۃ" (تکلیف کے بعد آسانی) میں عابد و زاہد لبیب کا واقعہ خود اس کی زبانی یوں تحریر ہے:

اپنی جوانی کے ایام میں ایک دن میں نے اپنے گھر میں سانپ دیکھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ سانپ ایک بل میں گھس گیا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح اسے بل سے باہر نکالوں۔ اتنے میں ایک مرتبہ سانپ نے اچانک اپنا سر باہر نکالا اور میرے ہاتھ پر ڈس لیا جس کے نتیجے میں میرا ایک ہاتھ شل ہو کر رہ گیا اور میں اس سے کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد میرا دوسرا ہاتھ بھی شل ہو گیا۔ اور اس کے بعد میرے پاؤں بھی بے دم ہو گئے اور میں بالکل مفلوج ہو گیا۔ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ میری آنکھوں کی بصارت بھی زائل ہو گئی اور میری زبان بھی کچھ کہنے سے قاصر ہو گئی۔

میں ایک عرصہ تک اسی حالت میں بستر پر پڑا رہا میرے تمام کے تمام حواس اور اعضاء و جوارح ناکارہ ہو چکے تھے۔ البتہ میری قوتِ سماعت اب بھی باقی تھی جو میرے لیے وبالِ جان بنی ہوئی تھی۔ میں ہر طرح کی بری اور ناپسندیدہ باتیں سنتا رہتا تھا لیکن ان کا جواب دینے کی طاقت سے محروم تھا۔

اکثر و بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ مجھے شدید پیاس لگتی تھی لیکن کوئی مجھے پانی نہیں پلاتا تھا۔ اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا تھا کہ مجھے قطعاً پانی کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی لیکن پھر بھی زبردستی میرے حلق میں پانی ڈال دیا جاتا تھا اور میں اشارہ تک کرنے سے قاصر تھا!

اسی طرح اکثر ایسا ہوتا تھا کہ میں بھوک کی شدت سے بلبلا رہا ہوتا تھا اور کوئی مجھے کھانا نہیں کھلاتا تھا اور اس کے برعکس ایسا بھی ہوتا تھا کہ مجھے قطعاً بھوک نہ ہوتی تھی لیکن پھر بھی زبردستی میرے مُنہ میں غذا ٹھونس دی جاتی تھی۔

اسی کشمکش اور اضطرابی حالت میں پورا ایک سال گزر گیا۔ مجھے موت بھی نہیں آتی تھی جو میرے خیال میں اس زندگی سے بدرجہا بہتر تھی۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے میری بیوی سے آکر پوچھا:

"لبیب کا کیا حال ہے؟"

اس نے کہا:

"نہ تو وہ ٹھیک ہوتا ہے کہ اسے آرام ہو جائے اور نہ ہی وہ مرتا ہے کہ ہمیں اس سے چھٹکارا اور سکون ملے!"

اس کے علاوہ میری بیوی نے اس عورت سے اور بھی بہت سی باتیں کیں جن سے میں نے سمجھ لیا کہ وہ اب مجھ سے تنگ آگئی ہے اور اب میری موت اس کے لیے سکون کا باعث ثابت ہوگی۔

اس واقعہ کے بعد میرا دل بالکل ٹوٹ گیا اور میں نے خود کو بالکل تنہا اور سب سے علیحدہ محسوس کرتے ہوئے پورے خضوع و خشوع کے ساتھ صدقِ دل سے دعا کی اور بارگاہِ خداوندی میں اپنی صحت یا موت کا طالب ہوا۔

میری اس دعا کے فوراً بعد ہی میرے جسم کے تمام حصوں پر چوٹیں لگنے

لگیں اور میرے پورے جسم میں شدید درد ہونے لگا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور آہستہ آہستہ میرا درد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے نیند آگئی۔

جب میری آنکھ کھُلی تو میرا ہاتھ سینے پر تھا! حالانکہ ایک سال سے یہ زمین پر لٹکا ہوا بے حس و حرکت پڑا رہتا تھا اور بغیر کسی کے ہلائے نہیں ہلتا تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ سینے پر کیسے آگیا۔

پھر میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ہاتھ ہلاؤں چنانچہ میں نے اپنا ہاتھ ہلایا تو وہ سینے سے اُٹھ گیا۔ پھر میں نے اپنا دوسرا ہاتھ بھی ہلایا تو وہ بھی ہل گیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے پاؤں کی آزمائش کی اور آخر کار اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ بستر سے اُتر کر گھر کے صحن میں آیا اور آسمان پر نگاہ کی۔ پورے ایک سال بعد آج جب میں نے آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے دیکھے تو قریب تھا کہ میں اس خوشی سے مر جاتا۔ بے اختیار میری زبان پر آگیا:

"یا قدیم الاحسان لك الحمد۔"

اے ازل سے احسان کرنے والے تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔

منکسر مزاج سرمایہ دار

محمد ابن مسلم، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں۔ وہ شہر کوفہ کے ایک معزز اور سرمایہ دار شخص تھے ایک دن حضرت محمد باقر علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

"اے محمد! تم اپنے اندر عجز و انکساری پیدا کرو۔"

اس کے بعد محمد ابن مسلم مدینے سے کوفہ روانہ ہوئے۔ کوفہ پہنچنے کے بعد وہاں انھوں نے ایک تھال میں کھجوریں بھریں اور ترازو اٹھا کر مسجدِ کوفہ کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ اب وہ آواز لگا لگا کر یہ کھجوریں بیچ رہے تھے اور کہتے تھے:

"جسے بھی کھجور چاہیئے وہ مجھ سے خرید لے۔" (یہ کام محمد ابن مسلم اپنے نفس سے غرور و تکبّر دور کرنے کے لیے کر رہے تھے)

ان کے رشتہ داروں نے آکر کہا:

"یہ کام کر کے تم نے ہمیں ذلیل و رسوا کر دیا ہے!"

ابن مسلم نے جواب دیا:

"میرے مولاؑ نے مجھے جس چیز کا حکم دیا ہے میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا اور جب تک تھال کی یہ تمام کھجوریں بیچ نہیں لیتا یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔"

رشتہ داروں نے کہا:

"اگر تم نے حتمی طور پر خرید و فروخت کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اس محلّے میں چلے جاؤ جہاں گندم پیس کر فروخت کی جاتی ہے۔"

محمد ابن مسلم نے اپنے رشتہ داروں کی یہ بات مان لی اور پھر ایک اُونٹ اور پتھر کی چکّی خرید کر گندم پیسنے کا کام شروع کر دیا۔

محمد ابن مسلم نے یہ کام اس لیے شروع کیا تاکہ ان کا نفس غرور اور تکبّر سے پاک رہے اور وہ اپنے آپ کو ایک عام آدمی سمجھیں۔

———*———

حضرت علیؑ اور نماز

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام صفین کے معرکہ میں تھے۔ جنگ پورے زور وشور سے جاری تھی۔ دشمن کا لشکر مقابلے پر ڈٹا ہوا تھا اور ایسے ہی موقعے پر ایک مرتبہ آپؑ نے سورج کی جانب نگاہ اٹھائی۔ ابنِ عباس نے دریافت کیا:

"آپؑ سورج کی جانب کیوں متوجہ ہیں؟"

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

"میں زوال کا وقت شناخت کرنا چاہتا ہوں تاکہ نمازِ ظہر پڑھ سکوں۔"

ابن عباس نے کہا:

"کیا ایسی گھمسان کی جنگ کے موقعے پر نماز پڑھی جائے گی؟"

امامؑ نے فرمایا: "ہم ان لوگوں سے کس بات پر جنگ کر رہے ہیں؟ ہم ان سے اسی لیے تو برسرِپیکار ہیں تاکہ نماز قائم ہو سکے۔"

ابنِ عباس بیان کرتے ہیں کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام نے کبھی نمازِ شب نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ جنگِ صفین میں سخت ترین موقعے پر یعنی لیلۃ الحریر میں بھی آپؑ نے نمازِ شب ادا کی۔ اور نمازِ ظہر تو پھر بھی واجب نماز تھی۔ مولاؑ اس کو کیسے چھوڑ دیتے!